FIFTEEN LECTURES.

پندرہ لیکچر

مصنفہ

پادری ڈاکٹر عماد الدین صاحب - لاہز

ڈی - ڈی - مرحوم

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی - لاہور

P. R. B. S., Lahore.

سنہ ۱۹۳۰ء

قیمت 14/-　　　　بار دوم ۱۰۰۰

پندرہ (۱۵) لیکچر

مُصنّفہ

پادری ڈاکٹر عماد الدین مرحوم

فہرست مضامین

پہلا لیکچر

سچے خدا کی صحیح شناخت کی ضرورت

تمہید

بھائیو! میں ایک عاجز اور کم استطاعت شخص ہوں۔ میں کچھ عرصہ کے لئے پھر ۲۰ برس کے بعد پنجاب سے اس شہر آگرہ میں آگیا ہوں۔

پہلے جب میں یہاں تھا تب میں مسلمان تھا مگر میرے خیالات میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہوئی جس کے سبب سے اب میں دس برس سے عیسائی ہوں۔

میرا ارادہ تھا کہ آج اس مقام پر خدا شناسی کے متعلق چند باتیں عرض کروں لیکن نہ تو مباحثہ کے طور پر اور نہ طعن تشنیع کے طور پر (کیونکہ مدت ہوئی ہے کہ میں نے مباحثہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اس لئے کہ اس کے متعلق میری طرف سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کافی ہے) صرف یادگاری اور خالص خیالات کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں اور امید ہے کہ مجھے بھی اور سامعین کو بھی روحانی فائدہ حاصل ہوگا۔

آج کے دن اسی بات کا بیان ہے کہ خدا کی صحیح شناخت کی سب کو بڑی ضرورت ہے

دُنیا میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اس ضرورت سے کما حقہٗ واقف ہوں اگرچہ زبان سے تو سب کے سب اِس ضرورت کا اقرار کرتے ہیں لیکن اپنے طرزِ عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اس سے اب تک ناواقف ہیں کیونکہ ان کی ساری کوشش نفس پروری۔ عیش طلبی و شہرت نوازی اور جلبِ منفعت میں صرف ہوتی ہے۔ جب خدا شناسی کے متعلق ان سے کہا جاتا ہے تو عدیم الفرصتی کا عذر پیش کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس ضرورت سے اب تک ناواقف ہیں

اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے اس ضرورت کو ثابت کروں

میں نے اس بحث کو خدا کی ہستی کے ثبوت سے شروع نہیں کیا کیونکہ خدا کی ہستی تو عقلاً و نقلاً سب کو مسلّم ہے خواہ عیسائی ہو یا مسلمان یہودی ہو یا ہندو کسی کو اس سے انکار نہیں ہے۔ تاہم خدا کی ہستی کے متعلق بطریق اختصار اس قدر لکھنا کافی ہے کہ:۔

(۱) دُنیا کی پیدائش اور انتظام میں ایک عجیب حکمت اور قدرت اور ارادہ پایا جاتا ہے جو خدا کی ہستی کی دلیل ہے۔

(۲) انسانی ضمیر بھی خدا کی ہستی پر گواہی دیتا ہے خلوت میں اور جلوت

میں قادر مطلق کی ہستی کا وجود بیہ انسانی ضمیر پر نمایاں نظر آتا ہے۔

(۳) اس سطح زمین پر تمام بنی نوع انسان کی مختلف شاخیں کسی نہ کسی معبود کی پرستش کرتی چلی آتی ہیں جس سے خدا کی ہستی صاف ثابت ہوتی ہے۔ ہاں بعض ایسے بھی ہیں جو اس کی ہستی کا انکار کرتے ہیں لیکن ایسا کمبخت نہایت بہت ہی کم نظر آتا ہے جس کی تردید میں تمام مذاہب کے علماء اپنے زبردست دلائل کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

اس پر بھی اگر اس منکر کی اندرونی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اگرچہ وہ اپنے خیالات کے اعتبار سے منکر معلوم ہوتا ہے مگر اس کی ضمیر میں خدا کی ہستی کا ثبوت نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو دھوکا دے کر خدا کی ہستی سے انکار کرتا ہے اور بطور خود سمجھنے لگتا ہے کہ میرے افعال کا کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔

ایسے نفرتی شخص کی باتوں سے وہ کون دانا ہے جو موجودات اور ضمیر کی اس سنجیدہ گواہی کو چھوڑ کر اور اپنے ضمیر کا خون کر کے اپنے خالق کی ہستی کا انکار کرے۔

خدا تو ضرور ہے لیکن اس کا عرفان حاصل کرنا از بس ضروری ہے۔

سوال۔ کیا جھوٹے خدا بھی کہیں موجود ہیں؟

جواب۔ فی الحقیقت تو کہیں موجود نہیں لیکن اکثر دل سے فکر کی غلطی کے سبب سے اپنے ہاتھوں سے یا اپنے خیالوں سے اپنے ذہنوں یا اپنی عبادت گاہوں میں فرضی یا ذہنی خدا بنا رکھے ہیں اور اپنی روحوں کو ان کے سپرد کر کے بڑی خطرناک حالت میں پڑے

ہیں - اور بعض ایسے بھی ہیں جو سچے خدا کی ہستی سے کسی قدر واقف تو ہیں لیکن صحیح شناخت کی کوتاہی کے سبب سے قربت الٰہی سے محروم ہیں۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ سچے خدا کی صحیح شناخت کی سب کو نہایت ضرورت ہے

اگرچہ اس ضرورت کے اثبات پر بہت سی دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن اس وقت صرف پانچ باتیں پیش کرتا ہوں۔

پہلی بات

یقیناً تمام موجودات سچے خدا کی ملکیت ہے۔ اور ہم ذی روح اور ذی عقل موجودات میں شامل ہیں۔ لہٰذا از بس ضروری ہے کہ سچا خدا اپنی شناخت کے وسیلہ سے ہماری روحوں میں سکونت کرے۔ ورنہ ہم باغی ہو کے ہلاکت کے فرزندوں میں شامل ہونگے۔

دوسری بات

یہ ہم پر فرض ہے کہ خدا کی فرماں برداری اور اطاعت کریں مگر یہ اطاعت اور فرماں برداری ہو نہیں سکتی جب تک کہ خدا کو صحیح طور سے نہ پہچانیں۔ آقا کی خدمت وہی نوکر کر سکتا ہے جو اپنے آقا کی عزت اور مزاج اور ارادہ سے واقف ہے۔

تیسری بات

یہ صداقت ظاہر ہے کہ یہ دُنیا گذشتنی اور گذاشتنی ہے۔ انسانی روح کبھی نہ کبھی وقت اس کے چھوڑنے پر مجبور ہوگی اور موت کا مزہ چکھ لیگی پس اس خطرناک حالت میں کیا کرے۔ پاؤں پسار کے مرجائے یا عُروۃ الوثقیٰ کو پکڑے پس سچّے خدا کی صحیح شناخت کے سوا وہ کونسی چیز زمین و آسمان میں ہے جس کو از روی عقل ہم تھام لیں۔

اگرچہ ہم میں سے بعض کی عقل تعلیم علوم اور اجتماع خیالات مستحسنہ اور قدرے وقوف حالات دُنیاوی کی وجہ سے کسی قدر روشن ہے لیکن دل بالکل کالے ہیں۔

کیونکہ سب خواہشیں اور ارادے دلوں میں اُٹھتے ہیں اور اعضا کے ذریعہ ظاہر ہو جاتے ہیں اور خود ہماری ضمیر گواہی دیتی ہے کہ ہمارے سب حرکات اور سکنات اور خیالات درست ہی نہیں ہیں اگرچہ کچھ دُرست بھی نظر آئے مگر زیادہ تر خبیثہ مزاجی کا ہم سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ہمارے دل تاریک ہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عقلی رَوشنی سے نہ کبھی دل روشن ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ پس دل کی رَوشنی کی بڑی ضرورت ہے لیکن وہ کہاں سے آئے ؟۔ موجودات کی معرفت صرف عقل میں کچھ روشنی پیدا ہوتی ہے نہ دل میں چنانچہ یہ بات دُنیا کے عقلاء کی تحریر و تقریر اور چال چلن سے ثابت ہے۔

لامی دنیا کے رگروہوں سے چند ایسے بھی ہیں جن کے دل ضرور روشن ہیں اور اگرچہ ان میں مادی روشنی نہیں ہے مگر خداشناسی سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف خداشناسی سے دل روشن ہوتا ہے پس دل کی روشنی حاصل کرنے کے لئے تاکہ ہمارے قدم سلامتی کی راہ پر چلیں خداشناسی کی بڑی اور نہایت ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

یہاں تک کہ اگر مادی علوم کی روشنی ہمارے اندر نہ ہو تو ہمارا چنداں نقصان نہیں ہے لیکن خداشناسی کی روشنی اگر ہمارے دلوں میں نہ آئے تو ضرور ہم ہلاک ہونگے۔ لیکن افسوس ہے کہ جس کی بڑی ضرورت ہے اُس پر لوگ کم توجہ کرتے ہیں۔

پانچویں بات

خوشی اور غم اور دُنیاوی تغیرات کے دیکھنے سے اور ہم پر وقتاً فوقتاً ان حالات کے طاری ہونے سے ہمارے دلوں میں اور ہماری عقلوں میں بھی کس قدر حیرانی اور بے قراری پیدا ہوتی ہے۔ دُنیاوی خوشوقتی کی حالت میں ہم بچوں کی مانند کیسے پھُول جاتے ہیں اور مصائب کے وقت کیسی بے قراریاں ظاہر ہوتی ہیں۔ غرض دُنیا کے دُکھ سُکھ کی موجوں میں ہماری کشتی کیسی ڈانواں ڈول چلتی ہے لیکن خداشناس لوگوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو وہ ان حالات یعنی دُنیا کے دُکھ سُکھ میں ایسے ثابت قدم اور پُرتسلّی نظر آتے ہیں گویا وہ ایک دُوسرے ہی قسم کے لوگ ہیں۔ نہ تو دُنیاوی

خوشی میں خوش ہو جاتے ہیں اور نہ دُکھوں میں بیقرار نظر آتے ہیں پس یہ عجیب نعمت اُنہیں کہاں سے حاصل ہے؟ سچے خدا کی صحیح شناخت سے!

حاصل کلام

(۱) خدا کی صحیح شناخت کی بڑی ضرورت ہے اور بغیر اُس کے صاف ہلاکت نظر آتی ہے۔

(۲) سچے خدا کی صحیح شناخت ایک مؤثر چیز ہے جو دل کو روشن کرتی ہے اور اطمینان قلبی اُس سے حاصل ہوتا ہے۔

(۳) بغیر اس شناخت کے نہ تو خدا کے حقوق ہم سے ادا ہو سکتے ہیں اور نہ بندوں کے حقوق۔ اور سلامتی کی راہ پر ہم کسی طرح نہیں چل سکتے۔

انتباہ

ایک بڑی غلطی اور ہے جو ہلاکت کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ اکثر اہل اسلام یُوں کہتے ہیں کہ شناخت الٰہی ہمیں قرآن و حدیث سے حاصل ہو گئی ہے اور ہندو کہتے ہیں کہ شاستروں سے حاصل ہو گئی ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہمیں بائبل سے حاصل ہو گئی ہے اور اس لئے ہم کسی اَور کی بات اس بارہ میں نہیں سُنتے ہیں۔ نہیں یہ بیجا بات ہے ہمیں ضرور سب کی باتیں خداشناسی کے بارہ میں سُننا واجب ہے اس میں ضرور ترقی ہوگی اگر ہمارے

خیالات فاسد ہیں تو ضرور قوی خیالات اُنہیں اُڑا دینگے۔ ور یہ تو اچھا ہے کہ باطل خیالات اُڑ جائیں۔ اور اگر ہمارے خیالات قوی ہیں تو دوسروں کی بات سُننے سے اور بھی زیادہ مضبوط ہونگے اور قابل اعتبار ٹھہرینگے۔ نہ سُننا یا تو جہل مرکب کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ دوسرے کے خیالات سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ قوی نظر آتے ہیں۔ اس حالت میں باطل خیالات کو دبا کر بیٹھنا خود کشی کا مرتکب ہونا ہے اور یہ کہنا کہ وہ ہیچ اور پوچ بکتا ہے یہ مغروری کی بات ہے جو تاریک دل سے نکلتی ہے خدا ہم سب کو توفیق دے کہ خدا شناسی پر متوجہ ہوں۔ مسیح کے وسیلہ سے آمین فقط +

دُوسرا لکچر

خداشناسی کا وسیلہ

گذشتہ لکچر میں اس شناخت کی ضرورت اُن پانچ باتوں سے جو اُس میں مذکور ہیں دکھلائی گئی تھی لیکن زیادہ غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرورت انسان کی رُوح میں مرکوز ہے اور یہ رُوح کی ایک خواہش یا اقتضا ہے۔

اگرچہ اس خواہش کو جو سب کی روحوں میں موجود ہے بہتوں نے دُنیاوی لذایذ کے حصول میں مصروف رکھا ہے تو بھی بنی آدم کا ایک انبوہِ کثیر اپنے ریاضات و مجاہدات و خیالات سے اس کا ثبوت دیتا ہے اور ہر دو فریق کی حالت کا بغور معائنہ کرنا اس الٰہی شناخت کی ضرورت کو انسانی روحوں میں مرکوز دکھلاتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ دیوانوں میں اور اُن بچوں میں جو حیوانوں کے ساتھ جنگل میں پلتے ہیں خدا کی شناخت کی خواہش نہیں ہے انہیں تو خدا کا خیال بھی نہیں ہے پس کیونکر کل بنی آدم کی روح میں اس کا ہونا یقین کر سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ انسان جب تک حدِ انسانی درجہ میں ہے اُس وقت تک یہ خواہش ضرور اُس میں پائی جاتی ہے اور جب وہ اپنے درجہ سے خارج ہو کر حیوان کے درجہ میں

پہنچ جاتا ہے تب اُس میں اُس کے حقیقی اقتضا کی تلاش کرنا فضول ہے۔ دیکھو اندھا آدمی دیکھ نہیں سکتا گونگا بول نہیں سکتا بہرہ سُن نہیں سکتا لنگڑا چل نہیں سکتا بیوقوف سمجھ نہیں سکتا تو بھی جو انسان صحیح و سالم ہیں اُن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں پس بعض معذوروں کے سبب سے جن سے خاصوں کی کلیّت میں فرق نہیں آسکتا ہے ؎

جب یہ ضرورت رُوح میں جاگزین ہے تو اس کی تکمیل بھی ممکن ہوگی۔ کیونکہ جس نے رُوح میں خداشناسی کی خواہش رکھی ہے وہ اس خواہش کے پُورا کرنے پر بھی قادر ہے ورنہ حکیم علی الاطلاق کا فعل عبث ٹھہریگا اور یہ محال ہے ؎

دیکھو جسم میں پیدا کرنے والے نے جو خواہشیں رکھی ہیں مثلاً کپڑے کی خواہش کھانے پینے کی خواہش وغیرہ اسی نے یہ انتظام بھی کیا ہے کہ سب کو خوراک اور پوشاک بطور مناسب پہنچے۔ اسی طرح رُوح میں جو جو خواہشیں اُس نے پیدا کی ہیں کیا ان کے انتظام پر وہ قادر نہ ہوگا ضرور ہوگا رُوح کی خواہشیں بھی وہ پُوری کریگا اور کرتا ہے ؎

پس یہ خواہش کہ میں اپنے خدا کو پہچانوں لوگوں میں ضرور پائی جاتی ہے لیکن اس کی تکمیل کے طریقے مختلف آدمیوں کے ایجاد کئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً۔

بہت سے لوگ ہیں جو خداشناسی کے لئے تحصیل علوم کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں لیکن اس سے بجز اس کے کہ عقل زیادہ روشن ہو جائے اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے اور بہت سے

ایسے ہیں جو بزرگوں کے پاس جاتے ہیں تاکہ اُن سے
خداشناسی سیکھیں چنانچہ وہ انہیں ریاضتیں اور مجاہدہ
اور ذکر فکر اور کچھ دیگر وظائف سکھلاتے ہیں لیکن اُن سے
بجز نفس کشی اور وہم چیزے دیگر حاصل نہیں ہوتی ۔
اور بعض ایسے ہیں جو قیاسات پر زیادہ زور دیتے ہیں
مگر یہ صرف عقلی رنگینی ہے جس سے یا تو یاس یا دیوانگی
یا سراسیمگی پیدا ہوتی ہے اور روح کی تشنگی ہرگز نہیں بجھتی
جنہوں نے ان سب باتوں کا تجربہ کیا ہے وہ جانتے ہیں
کہ یہ سب باتیں سچ ہیں اور یوں ہی ہیں ۔
ہمارے زمانہ میں اب اکثر لوگ دلائل پر بہت زور دیتے
ہیں پہلے اس ملک میں ریاضت پر بہت زور تھا مگر جب
سے علم میں ترقی ہوئی اور بیبل آئی اُس وقت سے یہ حال
ہوا ہے کہ تصادم خیالات علمیہ اور الہامیہ کے سبب اکثر
لوگ دلائل عقلیہ کے زیر سایۂ پناہ لینے کو دوڑتے ہیں اور
عقل کو صحیح شناخت کا کافی وسیلہ جانتے ہیں جس سے
بڑی گڑبڑی مچی ہے ۔
ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ عقل خداشناسی کا ایک وسیلہ ضرور
ہے کیونکہ وہ انسان میں موجب شرافت اور موجب تکلیف
شرعی ہے بلکہ ایک باطنی آنکھ ہے مگر وہ کامل اور کافی وسیلہ
ہرگز نہیں ہے پس ہم نہ اُسے رد کرتے ہیں اور نہ صرف اُس
کی ہدایت ہی کو کافی جانتے ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے

سب اعضا اور حواس اگرچہ ہماری اس زندگی کے رفع حاجات کے لئے پیدا کئے گئے ہیں مگر بیرونی طاقت کے بغیر وہ کافی نہیں ہیں۔ مثلاً جب تک بیرونی غذا سے طاقت اعضا میں نہ آ سکے وہ سب بیکار ہیں۔ آنکھ اگرچہ دیکھنے کا آلہ ہے لیکن بیرونی روشنی کی سخت محتاج ہے روح اگرچہ بدن کو زندہ رکھتی ہے لیکن سرچشمہ حیات سے قوت حاصل کرنے کی محتاج ہے۔ خیالات اگرچہ جولانی دکھلاتے ہیں مگر غذائی اور عقلی طاقت کے بغیر وہ کچھ کر نہیں سکتے۔

تو کیا صرف عقل ہی ایسا جوہر ہے جس کو بیرونی طاقت کے بغیر کافی سمجھا جائے وہ تو گھٹتی بھی ہے اور بڑھتی بھی ہے اور اپنے فیصلوں کی ہمیشہ ترمیم بھی کیا کرتی ہے اور سارے اختلافات کی بنیاد بھی یہی ہے پس تو عقل کس طرح خداشناسی کا کافی وسیلہ ہو سکتی ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ عقل عمدہ چیز تو ہے مگر کافی نہیں ہے پس اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھے رہنا کوتاہ اندیش آدمی کا کام ہے جو آخر میں پچھتانے گا۔

دیکھئے تو کہ عقل ہماری بعض ضروریات کے دریافت کرنے میں کیسی لاچار اور بے بس ہو جاتی ہے۔ مثلاً انسان کی ابتدائی حالت کا بیان کچھ نہیں بتلا سکتی ہے کہ انسان کیونکر پیدا ہوا۔ اسی طرح ہماری انتہا کا حال نہیں بتلا سکتی کہ ہم کب ہوں گے۔ وہ تو اس شریعت کے سمجھانے میں بھی ناکامی رکھتی ہے جو ہمارے دلوں پر لکھی ہوئی ہے۔ مثلاً ہم دونوں کی اصلاح کے اختیار رکھتے ہیں یا نہیں

اچھی معلوم ہوتی ہیں دوسروں کی عقل کے اعتبار سے وہی باتیں بُری معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کی ذات و صفات کا بیان بھی تسلی بخش نہیں کر سکتی اگرچہ خدا کی ہستی پر گواہی دیتی ہے لیکن یہ گواہی ہماری تسلی کے لئے کافی نہیں ہو سکتی ہے۔

یہ چار باتیں یعنی انسان کی ابتدا اور انتہا نیکی اور بدی خدا کی ذات و صفات ایسی ہیں کہ جب تک ہمیں تسلی بخش طور پر سمجھائی جائیں تب تک ہماری روحوں کی پیاس بجھ نہیں سکتی اور یہ بات عقل سے ناممکن ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ صرف عقل سے نہ خودشناسی ہمیں حاصل ہو سکتی ہے اور نہ خداشناسی۔

پس جب عقل کی یہ کیفیت ہے کہ اُمور بالا کے متعلق کچھ نہیں بتلا سکتی ہے تو پھر بتلاؤ کہ اقتضائے شناخت الٰہی جس کی بڑی ضرورت ہے کس طرح تکمیل تک پہنچ سکیگا؟

کیا ہمارا پیدا کرنے والا ہماری اس ضرورت اور اس لاچاری سے واقف نہیں ہے یا اُس کی تکمیل پر وہ قادر نہیں ہے یا یہ خواہش بیجا ہے اور صرف وہم سے ہم میں پیدا ہوگئی ہے؟ ہرگز نہیں۔

بیشک خدا نے یہ خواہش ہمارے دلوں میں رکھی ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ ہمارے دلوں میں یہ خواہش بے چینی کا باعث ہوگی اور ہم اس کو پورا نہیں کر سکتے ہیں ہم تو جسمانی خواہشوں یعنی بھوک پیاس وغیرہ کو بھی پورا نہیں کر سکتے ہیں چہ جائیکہ اس اعلیٰ خواہش کو پورا کر سکیں۔

ہماری کیا طاقت ہے کہ تھوڑے سالوں میں وبائی بیماریوں سے جبکہ

لاکھوں انسان مر جاتے ہیں اپنی عقل سے اور اپنے انتظام سے خوراک پیدا کر سکیں یا ان امراض کو دفع کر سکیں۔ جب جسمانی خواہشوں کے جسمانی تکمیل کے درمیان ایک غیبی طاقت مصروف کار نظر آتی ہے تو روحانی خواہشوں کی تکمیل کے لئے غیبی اور آسمانی مدد کیونکر کام کر سکتی ہے۔ شناخت الٰہی کے لئے خدا سے مدد آنی چاہیئے اور یہ مدد وہی ہے جس کا نام الہام ہے۔

پس شناخت الٰہی کے لئے الہام کی بیحد ضرورت ہے اس طور پر کہ عقل جو ایک ناکافی وسیلہ ہے وہ الہام سے قوت پا کے پورا اور کافی وسیلہ بن جائے۔

آنکھ جسمانی چیزوں کے دیکھنے کا وسیلہ ہے مگر سورج سے روشنی حاصل کرکے۔ اسی طرح عقل خداشناسی اور خودشناسی کا وسیلہ ہے مگر آفتاب صداقت یعنی الٰہی کرنوں یا الہام سے روشنی حاصل کرکے اسی طرح روح کی خواہش بھی پوری ہو سکتی ہے لیکن الہام الٰہی کی مدد سے۔

اب میں صاف کہتا ہوں کہ جس طرح ہماری روح میں خداشناسی کا اقتضا موجود ہے اسی طرح ہمارے خالق کی الوہیت میں اس اقتضا کی تکمیل کی امید ہونی چاہیئے۔

اگر ہم اپنی پرورش اور اپنے دیگر حالات پر غور کریں تو ہمیں خوب معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ ہماری کمزوری اور لاچاری میں اس کی قوت اور اس کی طاقت اور اس کی حکمت اور اس کی مسبب الاسبابی ہمارے شامل حال رہی ہے تو کیا اب ہم ایسے ہو گئے کہ الہام کی

ضرورت سے بے نیاز ہو گئے حالانکہ وہی عقل جو ہماری ضروریات مذکورہ بالا میں لاچار ہے اب بھی ہم میں موجود ہے پس یہ بڑی ضروری اور بڑی نادانی کی بات ہے کہ انسان الہام کی طرف سے بے پرواہ ہو اور صرف اپنی عقل پر تکیہ کر کے ہلاک ہو۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ الہام کی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ برہمو سماجی کہتے ہیں گویا وہ یہ کہتا ہے کہ آنکھ کے لئے آفتاب کی ضرورت نہیں یا زندگی کے لئے ہوا کی ضرورت نہیں ہے۔

شناخت الٰہی کے لئے عقل انسانی کو الہام الٰہی سے منور ہونے کی بڑی ضرورت ہے بغیر اس کے عرفان الٰہی ناممکن ہے۔ نبی کے اس قول کو یاد کیجئے جہاں لکھا ہے کہ "تیرے سب فرزند خدا سے تعلیم پائینگے" خدا سے تعلیم پانا یہی ہے کہ ہماری عقلیں الہام یا اقوال الٰہی سے منور ہو کر خداشناسی حاصل کریں۔

اب تک اس بات کا ذکر نہیں ہوا ہے کہ صحیح الہام کس کتاب میں ہے اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ صرف بیبل میں صحیح الہام ہے لیکن اس کا ذکر پھر ہوگا اس وقت اس امر کا ذکر ہے شناخت الٰہی کا وسیلہ عقل مع الہام ہے نہ تنہا عقل اور نہ تنہا الہام کیونکہ جب ہماری آنکھیں کھلی ہوں اور سورج بھی نکلا ہو تب ہم اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں اور جب آنکھیں نہ ہوں اور سورج نکلا ہو تو ہم کچھ نہیں دیکھ سکتے اور جب صرف آنکھیں ہوں اور رات ہو تو اندھیرے میں ٹٹولتے پھرینگے اس لئے عقل و الہام دونوں کی ضرورت ہے۔

اور یہ ہدایت عقل ہی کی ہے کہ انسان الہام کا محتاج ہے اور

چندوں میں اظہار کرنے کا اختیار؛ اور خیرات میں عطا کرنے کا؛ قرآن
موجود ہے لیکن خداوند مسیح کے لئے ٹھیک انہی باتوں کی تاکید ہے اور
واجب ہے کہ جو کوئی اس طریقہ سے ہٹ جاتا ہے وہ ابد تک
بھلائی کا منہ نہ دیکھ سکے گا۔

تیسرا لیکچر

الہام اور خدا شناسی

گذشتہ لیکچر میں اس بات کا بیان ہوا تھا کہ عرفان الہیٰ کے اقتضا کی تکمیل جو ہر ایک کی روح میں موجود ہے صرف عقل سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی تکمیل خالق سے ہوتی ہے اور اس لئے ہم الہام کے محتاج ہیں "تا کہ عقل انسانی الہیٰ نور سے منور ہو کر اپنے خالق کو اچھے اور سچے طور پر جان سکے اس پر اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جو باتیں عقل سے دریافت نہیں ہو سکتی ہیں وہ الہام سے بھی دریافت نہیں ہو سکتی ہیں +

درحقیقت یہ اعتراض بے توجہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے - شاید معترض نے یہ سمجھا ہے کہ الہام ایک ایسی چیز ہے جس سے لاانتہا معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور ہر ایک شے کی حقیقت اور دنیا و مافیہا کے رموز اس کے وسیلے سے اس طرح ہوتے ہیں جس طرح بعض باتیں عقل سے حل ہوتی ہیں +

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ یہ تیسرا لیکچر الہام کے متعلق دیا جائے کہ الہام کے لئے بھی ایک حد ہے جہاں تک اس حد کا تعلق ہے وہاں تک وہ لاریب ہماری رہبری کرتا ہے ... اور جو باتیں اس کی حد میں داخل نہیں وہ

ان سے تعرض نہیں کرتا۔ الہام کی حد از رُوئے عقل از قرار ذیل ہے:۔
عقل کے اس ناطق حکم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اُس بے مثل اور لاشریک خدا کی نہ علم میں نہ قدرت میں۔ اور نہ کسی اور بات میں کوئی مخلوق ہرگز برابری نہیں کرسکتا ہے کیونکہ یہ بات ناممکن اور محال ہے۔

معرفت کا لُب لباب یہ ہے کہ خدا کی نسبت ہمارے ذہن میں صحیح خیالات پیدا ہوں اور ہماری حالت اور کیفیت ہم پر آئینہ ہو جس سے ہماری روحوں میں تازگی اور تسلی پیدا ہو جائے اب ظاہر ہے کہ وہ سب خیالات خواہ عقل کی وساطت سے پیدا ہو جائیں یا خارجی دلائل ہمیں ان کی تسلیم پر مجبور کریں ہر حالت میں الہام انسان کو عقل کی نسبت کچھ زیادہ روشنی اور کچھ زیادہ علم اور کچھ زیادہ عزت بخشتا ہے۔ الہام خدا کی مانند ہمیں عالم حقایق نہیں بنا سکتا نہ غیر ممکنات کو ہمارے لئے ممکنات کہہ سکتا ہے

جن چیزوں کو عقل صفائی کیساتھ دریافت نہیں کرسکتی ہے الہام انہیں صفائی کیساتھ بتلاتا ہے

مثلاً خدا کی قدرت اور حکمت اور اُس کے اکرام اور جن کو ہم اس دُنیا میں عقل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اس قدر صاف اور واضح معلوم نہیں ہوتے ہیں جس قدر الہام الہٰی کے ذریعہ سے وہ روشن تر اور شفاف تر معلوم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کا دل جو محض عقل کے پیرو

ہوتے ہیں خدا کی حکمت اور قدرت سے زیادہ متاثر نہیں ہوتا ہے جس قدر کہ الہام کے پیرو ؤں کا دل متاثر اور متشکر ہوتا ہے ۔

اس کے سوا خدا کی بہت سی ایسی عجیب و غریب تدبیریں اور حکمتیں اور بخششیں ہیں جو صرف الہام ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہوئی ہیں اور عقل کی وہاں تک کبھی رسائی نہیں ہوئی ہے ۔ مثلاً نجات کی حکمت اور خدا کی محبت اور گناہوں کی مغفرت اور روحانی انعام اور دلوں کی تبدیل اور برکات کے فیضان وغیرہ ایک ایسے امور ہیں جہاں تک عقل کی رسائی ممکن نہیں لیکن الہام سے کچھ بھی بعید نہیں ہے ۔

دوئم یہ کہ اس الہی شریعت کو جو دلوں پر منقش ہے اور جس کو عقل نے دھندلا سا دیکھا تھا اور اس کے مطالب کے سمجھنے میں غلطیاں کر کے آدمیوں کو گمراہ کیا تھا نہایت صاف اور غیر مبہم طور پر بتاتا ہے کہ دلی شریعت کا کیا مطلب ہے انصاف ۔ رحم ۔ پاکیزگی نفس ۔ خوش اخلاقی ۔ اور فروتنی وغیرہ کے کیا معنے ہیں ۔

سوئم یہ کہ الہام نے ہماری حالت کو ہم پر یہاں تک ظاہر کیا ہے کہ اب ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم کیسی خواہشات نفسانی اور نجاست روحانی میں پھنسے ہوئے ہیں یہ کام نہ تو عقل سے ہو سکتا تھا اور نہ اس نے کیا ۔ الہام کے وسیلہ سے ہم اپنی تمام اندرونی اور بیرونی بیماری اور خطروں کو صفائی کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں اور ان سب کے معالجہ اور دفعیہ کے لئے اس کے کلام سے امداد لے سکتے ہیں ۔ گویا کہ الہام ایک شیشہ کا حوض ہے جس پر ہم وضو کرتے ہیں جہاں ہم اپنے چہرے کے داغ کو خوب دیکھ دیکھ کر دھوتے ہیں ۔ یا ایک خوردبین ہے جو ہماری

عقل کے لئے الہام آنکھ ہے جس کے ذریعہ سے پردہ سے پار رکھی چیز کو دیکھ سکتی ہے ۔

الہام اُن باتوں کو بتلا سکتا ہے جن کو عقل نہیں بتلا سکتی ہے یا جن کے متعلق تذبذب رہتی ہے

اور یہ اس لئے ہے کہ پہلے الہام نے وہ باتیں ہمیں دکھلا کے ہماری عقلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے جن کا انکار ہماری عقلیں ہرگز نہیں کر سکتیں ۔

اوّل یہ کہ الہام نے ان امور عقلیہ کو جن کا ذکر اوپر ہو گیا ہے زیادہ صفائی سے دکھلا کے ہمیں اپنا معتقد بنا لیا ہے ۔ دوم یہ کہ قدرت اور حکمت الٰہی کے ساتھ ظاہر ہوا کہ یقیناً الہام سچا ہے کہ وہ اس خدا کی طرف سے ہے جس کو عقل قادر مطلق اور حکیم علی الاطلاق کہتی ہے ۔

اس لئے ان دو خارجی دلیلوں کے سبب جو کچھ الہام بتلاتا ہے عقل مجبوراً اس کو قبول کر لیتی ہے پس جو کچھ الہام کہتا ہے وہ ضرور سچ ہے کیونکہ اس کی سچائی کے برخلاف ہمارے پاس کوئی مستحکم دلیل نہیں ہے لہذا جو کچھ وہ کہتا ہے اس کا ماننا ہم پر فرض ہے خصوصاً ان امور کے متعلق جن کا تعلق ذات و صفات الٰہی کے ساتھ ہے کیونکہ ان امور کے متعلق عقل بالکل اندھی ہے پس ایسے معاملات میں الہام ہماری عقلوں کے لئے مشعل دار ہیں

ہوگا۔ یعنی الہام حقیقی کی حد میں عقل کے لیے مثل خوردبین کے ہے اور عقل کی حد سے باہر اس کے لیے مثل دوربین کے ہوگا اور پہلے مقام میں عقل یوں گواہی دیتی کہ جو کچھ میں دھندلا سا دیکھتی تھی اب اس خوردبین کے وسیلہ سے صاف دیکھتی ہوں اور دوسرے مقام میں یوں بولے گی کہ اب میں آئینہ میں دھندلا سا دیکھتی ہوں۔

الہام اس کھلانے اور بتلانے میں کچھ بخشتا بھی ہے

جو عقل اپنے دکھلاتے اور بتلاتے ہیں ہرگز نہیں بخش سکتی یعنی اصلی پاک اشتیاق روح عقل کی یاوری کے باوجود کمزوری اور بے بسی میں تشنہ تھی۔

الہام کیا بخشتا ہے یہ وہ اپنے اعلیٰ تاثیرات روح میں پیدا کرتا ہے جو غلط اور ناپسند عقلی خیالات سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتیں جیسا ہیں مثلاً۔

باطنی پاکیزگی۔ خدا کی حضوری حقیقی تسلی۔ زندہ ایمان زندہ امید حقیقی خوشی کا پیدا ہونا جو صحیح عرفان کا پہلا پھل ہے۔ دلاوری جو ہر قسم کی فنا کے گرداب کی موجوں میں ابدی سفر کی بندرگاہ اور جس ہماری مدد کرے جس الہام یہاں تک ہماری مدد کر سکتا ہے اور یہ مدد ہماری حالت موجودہ کے لئے کافی اور وافی ہے اس سے زیادہ توقع رکھنا طمع بیجا ہے۔ ہاں اس زندگی کے بعد ہم بہت کچھ

پہنچینگے لیکن وہاں بھی خدا کی مانند عالم حقایق ہرگز نہ ہونگے خواہ کتنا ہی تقرب کیوں نہ حاصل ہو کیونکہ مخلوق خالق کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔

جب الہام کی مدد کی حد معلوم ہوگئی تو اب یاد کیجئے کہ وہ پانچ باتیں جو پہلے لکچر میں شناخت الٰہی کی ضرورت دکھلاتی ہیں الہام ہی کے وسیلہ سے تکمیل پا سکتی ہیں۔

مثلاً (۱) خدا کی سکونت اس قدر عرفان کے وسیلہ سے ہماری روحوں میں کافی ہے (۲) خدا کی درست اطاعت اس قدر شناخت سے ہو سکتی ہے (۳) خطرناک حالت میں اس قدر شناخت ہمارے لئے عروۃ الوثقٰی ہے (۴) دل کی روشنی کے لئے یہ شناخت ایسا کافی چراغ ہے (۵) زمانہ کی رنگارنگی میں ثبات حاصل کرنے کو یہ شناخت جو الہام سے پیدا ہوتی ہے بس ہے۔

اگر ہم الہام کو قبول نہ کریں اور صرف عقل کی پیروی کو کافی سمجھیں تو یقیناً ہم ایسے امور سے دوچار ہونگے جن کا انجام بجز توہمات اور تخیلات اور یاس و حرماں کے اور کچھ نہ ہوگا بقول شاعر کے کہا۔

یہاں فکر معیشت ہے وہاں وغدغۂ حشر
آسودگی حرف ست یہاں ہے نہ وہاں ہے

لیکن جنہوں نے عقل و الہام سے معرفت حاصل کی ہے وہ لوگ یہاں معرفت الٰہی سے آسودہ ہیں اور وہاں صحبت الٰہی سے کامل آسودگی میں داخل ہونگے مسیح خداوند کے وسیلہ سے آمین۔ فقط۔

چوتھا لکچر

الہام کی شناخت

جب الہام عقل کے ساتھ معرفت الٰہی کا وسیلہ ٹھہرا تو اب یہ دریافت باقی رہ جاتی ہے کہ صحیح الہام کہاں ہے کیونکہ کئی ایک کتابیں ایسی ہیں جن کی نسبت الہامی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور چونکہ ان کی بعض تعلیمیں آپس میں مختلف ہیں لہذا اس امر کا دریافت کرنا ازبس ضروری ہے کہ ان میں سے کونسی کتاب الہامی ہو سکتی ہے۔

چونکہ دُنیا میں فریب اور دھوکا بھی بکثرت نظر آتا ہے اس لئے صحیح الہام بڑی فکر اور غور کے بعد معلوم ہو سکیگا۔ ہر فکر بھی نتیجہ خیز نہیں ہوتا ہے کیونکہ اہل کذب اور دھوکے باز اور فریبی لوگ بھی کچھ فکر رکھتے ہیں پس طالب حق کو چاہئے کہ پہلے پوری طاقت قدری کے ساتھ فکر کی صورت پر غور کرے ۔

فکر کرنا اور بات ہے اور فکر کی صورت پر کہ میں کس طرح سے فکر کرتا ہوں غور کرنا اور بات ہے ۔

فکر کی صحت کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ عقلی یا نقلی خیالات یا گذشتہ واقعات کے مقدمات کو ذہن میں ترتیب دیکر نتیجہ اخذ کریں بلکہ مناسب یہ ہے کہ ہم ان غلطیوں کو زیر نظر رکھیں جو اکثر مقدمات کے ترتیب دینے

میں واقع ہوتی ہیں ورنہ مقدمات کی ترتیب سے جو نتیجہ نکلیگا وہ غلط ہوگا اور روح کے لئے باعثِ ہلاکت ہوگا ۔

پس منبعِ خیالات یعنی جوشِ روحانی کا خصوصاً ان معاملوں میں تلاش کرنا واجب ہے تاکہ اس میں تعصب اور حمایت اور نفسانی اغراض کی آمیزش نہ ہو کیونکہ اغراض نفسانی اور بیجا جوش ہمیشہ صحت فکر میں مانع ہوتے ہیں ۔ چنانچہ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ کونسی قسم کے لوگ تعصّب یا خود سچائی سے الگ رہتے ہیں ۔

جوشِ روحانی میں نہ صرف خلوصِ نیت کافی ہے بلکہ انسان کی دلی تمنا یہی ہونی چاہئے کہ میرا مصمم ارادہ ہے کہ میں خدا کی مرضی پر چلونگا اور جو دن میں زمین پر مسافر ہوں کچھ عرصہ کے بعد یہاں سے بالکل چلا جاؤنگا یہاں کی سب چیزیں اسی جگہ چھوڑنے والا ہوں سب خوشیاں اور سب عیش اور سب دولتیں اور سب عزتیں اور سب لذتوں سے زیادہ مجھکو اپنا خالق پیارا ہے میں اس کی مرضی پر چلنا چاہتا ہوں اور اسی لئے اس کی مرضی دریافت کرتا ہوں تاکہ اس پر چلوں یہ ارادہ میرے دل میں زندہ ارادہ ہے گویا ایک چشمہ ہے اس خوبصورت نتیجے کی جو شیریں اور ... کے لئے چلا رہا ہے ۔

میں نے اپنا عمر کا ... کو تلاش کرتا پھرتا ہوں نہ کسی بیجا دعوے کی ناروا بات کی حمایت کرتا ہوں نہ کسی کی تحقیر اور رسوائی کا خواہاں ہوں اور نہ ایسی باتیں کر کے دنیا کمانا چاہتا ہوں بلکہ صرف اپنے خالق کی مرضی کو تلاش کرتا ہوں تاکہ باقی عمر میں اس کی خدمت کروں ۔

میں اس لئے فکر کرتا ہوں تاکہ تحقیق الہام کی دریافت کروں کہ کہاں

ہے اور اس کی روشنی سے تم بھی منور ہو جاؤں ۔

اس کے علاوہ ہر ایک بات میں آنحضرت کے درمیان ان کے مدارج کی ٹھیک رعایت کرنی ہوگی۔ مثلاً امور عقلی کے متعلق عقل کی طرف اور تجربہ کی باتوں کے متعلق تجربہ کی طرف اور قدرت کی باتوں میں قدرت کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور حکمت کی باتوں کے متعلق حکمت کی طرف پہنچنا ہوگا اور اندھی اونٹنی کی طرح درختوں میں منہ مارتے پھرنا نہ ہوگا۔

پس صحت فکری کے لئے ان تمام امور بالا پر غور کرنا اور ان کا لحاظ رکھنا انسان ضروری اور لابدی ہے ۔

خدا کے دربار میں داخل ہونے والوں کے لئے یہ باتیں بطور ابجد کے ہیں۔ وہ شخص جو الہام کی روشنی میں آجاتا ہے اس کو معلوم ہوتا ہے کیا ہر تعصب اور شرارت اور جھگڑے باز اور متکبر و متعصب اور خود غرض اور مطلب پرست وہاں داخل ہو سکتا ہے ہرگز نہیں مگر سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ ہر شخص وہاں تک پہنچ سکتا ہے ۔

دنیاوی حکمت سے الٰہی حکمت ضرور بڑی چیز ہے لیکن دنیاوی حکمت بھی اس کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے الٰہی حکمت کے لئے بدرجہ اولیٰ یہی ضروری ہے ۔

دیکھئے کہ دنیاوی لوگ کس طرح دنیاوی کوششوں میں سخت جانفشانی کے ساتھ حاجتوں کے دنیاوی مدارج حاصل کرتے ہیں مگر علم الٰہی کے بارے میں کوئی کتاب پڑھ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ماسوا اس کے کوئی چیز نہیں۔ ماحصل کلام یہ ہے کہ اس کائنات کے دریافت کرنے کے لئے سب سے پہلے اور ضروری بات یہ ہے کہ تحقیق حق اور اخلاص کے ساتھ مذہبی گروہ فکر کریں ۔

ثانیاً جمیع الہام کی شناخت کے لئے الہام کی تعریف اور الہام کی غرض کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے *

الہام کی تعریف یہ ہے

الہام ایک روشنی ہے اُس کی طرف سے جو قادر مطلق اور حکیم علی الاطلاق بلکہ جامع جمیع صفات کمال ہے *

اور الہام کی غرض یہ ہے

عقل کو زیادہ بصیرت دے اور رُوح کی پیاس کو بُجھائے کچھ بخشے اور کچھ عنایت کرے *

پس الہام کی شناخت کے لئے خلوص نیت کے بعد سب سے بڑی اور معتبر علامات یہی ہیں کہ تعریف اور غرض کی شرطیں اس میں پائی جائیں *

چونکہ الہام ایک روشنی ہے

پس جہاں وہ ہوگا وہاں سب کچھ اُس کے وسیلہ سے صاف نظر آئیگا مثلاً جہاں آفتاب ہے وہاں روشنی ہے اور جہاں وہ نہیں ہے وہاں اندھیرا ہے جس ملک میں جس مقام میں اور جس خاندان میں اور جس آدمی کے دل میں الہامی خیالات ہونگے وہاں ضرور روشنی ہوگی روشنی میں سب کچھ صاف نظر آئیگا پس وہاں بدی اور نیکی ہر دو صاف صاف ظاہر ہونگی *

ہمارا دعویٰ ہے کہ الہام صرف بائبل مقدس ہی میں ہے جس کی

تاریخ کی دلیل یہ ہے کہ جن ممالک اور شہروں اور قوموں میں بائبل پہنچ گئی ہے وہاں عجیب تبدیلی اور زندگی تہذیب اور شائستگی کی پائی جاتی ہے۔ اب ان حالات کو اُن ممالک اور شہروں اور قوموں کے حالات سے مقابلہ کرو جہاں بائبل نہیں پہنچی ہے کہ وہ کس حالت میں ہیں اور عیسائی ممالک کس حالت میں ہیں افغانستان۔ ایران۔ عربستان۔ ترکستان اور ہندوستان کے رجواڑوں کو دیکھو کہ کس حالت میں ہیں۔ ان تمام خوبیوں کا باعث جو مسیحی ممالک میں پیدا ہوئی ہیں صرف بائبل مقدس ہی ہے اور دیگر ممالک میں جو قباحتیں ہیں اُن کی جڑ اُن کی الہامی کتابیں ہیں۔

یہ الہامی روشنی قادرِ مطلق کی طرف سے ہے

پس لازم ہے کہ الہام کے ساتھ بھی ایک اعلیٰ قدرت ہو کیونکہ الہام قادرِ مطلق کی روشنی ہے۔

اس دُنیا و مافیہا کو قادرِ مطلق نے بنایا ہے جب اُس نے بنایا ہوگا تو اُس وقت کیسی قدرت نمایاں ہوئی ہوگی اگرچہ ہم اُس وقت موجود نہ تھے کہ اس عظیم الشان قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ اُس نے کہا ہوجا اور ہوگیا لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو گویا اس لاثانی قدرت کو ہم اپنی آنکھوں سے نہایت حیرت کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اور خود دُنیا کا نظام اور ترتیب اس کی گواہی دیتی ہے کہ اس کا خالق وہ خدا ہے جو اپنی ذات اور صفات میں بےمثل اور لاشریک ہے۔ پس الہام میں بھی یہ صفت ہونی چاہیئے کیونکہ الہام اس کا

قول ہے اور جہان اس کا فعل۔ قول اور فعل دونوں کا مطالعہ بالتفصیل ازبس ضروری ہے ۔

اگر کوئی شخص بائبل پر بغور فکر کرے تو پتہ لگیگا کہ آدم سے لیکر موسیٰ تک خدا نے خاص طور پر اپنے خاص اخلاص بندوں کو اپنے الہام سے سرفراز فرمایا جو عجیب قدرت کے ساتھ ظاہر ہوتا رہا۔ پھر موسیٰ سے لیکر مسیح تک خدا کی ساری مرضی سارے جہان کے لئے جو ظاہر کی گئی ہے اُس کے اوّل اور آخر اور درمیان میں بھی وہی قدرت نمایاں تھی جس کا ذکر مختصر طور پر کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا ۔

خروج ۸: ۱۹ میں ہے کہ "تب جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ خدا کی قدرت ہے"۔ اور لوقا ۱۱: ۲۰ میں ہے کہ "اگر میں خدا کی قدرت سے دیوؤں کو نکالتا ہوں تو بیشک خدا کی بادشاہت تمہارے پاس آگئی ہے" یہ اشارہ ہے اُس قدرت کی طرف جو ظہور الہام کے وقت ظاہر ہوئی تھی ۔

لیکن آج بھی بائبل کے ساتھ ایک غیبی طاقت اور الٰہی حمایت صاف صاف نظر آتی ہے باوجود اس کے کہ لوگ مخالفین اس کی مخالفت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے اس پر بھی یہ الٰہی کتاب فتحیاب ہوتی چلی جا رہی ہے اور کوئی باطل خیال اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ اس کتاب کی نسبت شروع سے آجتک کہا جاتا ہے کہ اس نے جہان کو اُلٹ دیا اور سچ ہے کہ اُلٹ دیا اور اُلٹی چلی جاتی ہے۔ دشمنوں کی دشمنی اس کے سامنے ٹلتی جاتی ہے اور وہ خود جلتے جاتے ہیں لیکن بائبل ترقی کرتی جاتی ہے۔ دیکھئے کہ میرے دعوں کی

کہاں گئی اور رومیوں کی روشنی کہاں گئی اور یونانیوں کا تمدن سب کہاں گیا ہے۔ اب بھی جس ملک میں بائبل جاتی ہے وہاں کے لوگ مخالفت کرتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ خود مغلوب ہو جاتے ہیں بائبل کا یہ دعویٰ نہایت سچا ہے کہ میں سارے جہان کو فتح کروں گی۔

سچ پوچھو تو دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو بائبل کا مقابلہ کر سکے اس کی روشنی اور قدرت کے سامنے کوئی اور کتاب ٹھہر نہیں سکتی بائبل پتھر جیسے دلوں میں ایسی تاثیر کرتی ہے جس سے چور ڈاکو اور قوم اور خاندان اور ہر آدمی مغلوب ہو کر خدا کی قدرت ظاہر کرتے ہیں۔ پس یہ لازوال اور عجیب قدرت جو بائبل کے ساتھ ہے گواہی دیتی ہے کہ یہ کتاب قادر مطلق کی طرف سے ہے۔

الہام اُس حکیم علی الاطلاق کی طرف سے ہے

جب سے کہ یہ جہان کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے تمام موجودات میں ایک عجیب حکمت اور ترتیب نظر آتی ہے اگرچہ انسانوں نے کسی قدر ان حکمتوں میں سے چند ایک کو کچھ کچھ سمجھ بھی لیا ہے تو بھی بہت سی ایسی حکمتیں اس جہان میں ہیں جو انسان کے فہم سے باہر ہیں لیکن ان کے نہ سمجھنے سے ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ جہان کا بنانے والا خدا حکیم علی الاطلاق نہیں ہے ہماری یہ حالت کہ بعض باتوں کو سمجھتے ہیں اور بعض کو نہیں سمجھتے ہیں دلیل ہے اس بات کی کہ جہان حکیم علی الاطلاق کا بنایا ہوا ہے۔

یہی حال اس کے الہام کا بھی ہے بائبل میں بہت سی باتیں

ایسی ہیں جنہیں ہم خوب سمجھتے ہیں اور اُس کی حکمت کی بزرگی دیکھتے ہیں لیکن بعض باتیں ایسی گہری ہیں جو فہم سے باہر ہیں پس اگر جہان کی حالت مذکورہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ جہان حکیم علی الاطلاق کا بنایا ہوا ہے تو الہام کی یہ حالت بھی دلیل ہے اس بات کی کہ یہ اُسی کا قول ہے جس کا یہ جہان فعل ہے ۔

اگر الہام کی ساری باتیں ہماری عقل میں آسکتیں تو ہم صاف انکار کرتے اور کہتے کہ یہ الہام نہیں ہے کسی آدمی کی عقل میں سے نکلی ہوئی باتیں ہیں کیونکہ ہماری عقلوں میں اس کی گنجایش ہے ۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو دلیل بائبل کے ثبوت کی ہے اُسی کو لوگوں نے اس کی تردید کی دلیل بنایا ہے اور جو بات کتب غیر الہامیہ کی تردید کی ہے اُسے ثبوت کی دلیل بنایا ہے اور یہ غلطی اس لئے واقع ہوئی کہ انہوں نے اپنی صورت قدری پر فکر نہیں کیا جس کا ذکر میں نے اس لکچر کے شروع میں کر دیا ہے ۔

الہام جامع جمیع صفات کمال کی طرف سے ہے

اس لئے لازم ہے کہ اُس سے خدا کی بزرگی کمال کے طور پر ظاہر ہو ۔ ہم دُنیا میں کوئی تعلیم ایسی نہیں دیکھتے کہ بائبل سے زیادہ خدا کی عزت دکھلا سکے اور اُس کی صفات کمال کا انکشاف بخشے ۔ ہاں جن مقامات پر ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں ہم اُنہیں مقامات میں اُس کی زیادہ تر بزرگی دیکھتے ہیں اور دکھلا بھی سکتے ہیں چنانچہ آئندہ لکچروں میں اُن کا ذکر وقتاً فوقتاً آئیگا ۔ اس قسم کے لوگوں کے

کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ تو بائبل کی اصطلاحوں سے ناواقف ہیں اور نیز اُن اسرار سے جو بائبل میں ہیں چونکہ بائبل کے صرف کا نمونہ اور جملہ اُن کے ہاتھ میں نہیں اس لئے وہ اپنی اصطلاحوں اور اپنے خیالات فاسدہ کی بنا پر اعتراض گھڑ لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اب بائبل کا علم وسیع تر ہوتا جاتا ہے اُن کے اعتراض خود بخود اُٹھتے جاتے ہیں جب شروع شروع میں بائبل آئی تھی اُس وقت لوگوں کے کچھ اور ہی اعتراض تھے اور اب کچھ اور ہی اعتراض ہیں ۔

الہام کی غرض یہ ہے کہ عقل روشن ہو جائے

پس وہ کون سی کتاب ہے جو اُس سے زیادہ ہماری حالت کو اور نیکی و بدی کو اور خدا کی خدائی کو دکھلاتی ہے اگر کوئی ایسی کتاب دُنیا میں موجود ہے تو کسی عالم بائبل کے پاس لیکر آنا چاہئے تا کھرے اور کھوٹے میں تمیز ہو جائے ۔

بائبل میں یہی خوبی ہے کہ وہ عقل کی مدد کرتی ہے اور اسے روشن تر بناتی ہے ۔

الہام کی غرض ہے کہ اسکے وسیلے روحانی اقتضا پورا ہو

مجرد عقل نے اور دوسروں معلموں کی کتابوں نے تو کما حقہ روح کی خواہش کو بھی نہیں سمجھا۔ چہ جائیکہ وہ اس کی تکمیل کرتے صرف آپ ہی نے اس خواہش کو وسیلے سے دکھلایا ہے اور اس کے پورا کرنے کا علاج بھی بتلایا ہے اگر کچھ کچھ عقل سے یا ان معلموں نے سمجھا بھی تھا تو

تکمیل کے عوض حرمان کی راہ دکھلائی گئی اور ابدی خوشی سے یا تو رُوح کو ناامید کر دیا تھا یا باطل اُمید میں پھنسا رکھا تھا +

الہام کی غرض یہ تھی کہ رُوح کو کچھ بخشے بھی۔

گناہ سے اور گناہ کے عذاب سے رہائی رُوح کو اس وقت درکار ہے اور ابدی خوشی کی اُمید یقین کے ساتھ بھی رُوح کو اسی وقت مطلوب ہے سو یہ بات سوائے بائبل کے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے کہ رُوح کو عنایت کر سکے۔

لیکن ان دو انعاموں کا یقین وہی شخص کر سکتا ہے جس نے بائبل سے یہ یقین حاصل کیا ہو۔ لیکن جنہوں نے یقین کا یہ درجہ حاصل نہیں کیا ہے غور کریں تو بائبل کے پیروؤں کے افعال و اقوال اور حرکات و سکنات کو غیر لوگوں کے افعال و اقوال اور حرکات و سکنات کے ساتھ مقابلہ کر کے کسی قدر دریافت کر سکتے ہیں لیکن یہ مقابلہ ہمیشہ خواص میں کیا جا سکتا ہے نہ کہ عوام میں۔ کیونکہ جیسے جسم میں اور عقل میں لوگ مختلف ہوتے ہیں ویسے ہی رُوح میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔

پانچواں لیکچر

رُوح کیا ہے؟

انسانی رُوح کے متعلق بھی لوگوں نے بہت ہی غور و فکر کیا ہے اور اب تک کر رہے ہیں لیکن عقل کے لئے یہ بہت ہی مشکل ہے کہ تنہا اس کی حقیقت کو دریافت کر سکے تاہم اس کی نسبت صحیح خیال پیدا کرنا واجب ہے کیونکہ انسان کی تمام تر کوشش اسی کے لئے ہے۔ اگر رُوح ایک اعلیٰ حقیقت رکھتی ہے اور ناقابل فنا ہے تو اس سے زیادہ بہتر کون سی چیز ہے جس کے ہم طالب ہوں اور اگر یہ کوئی بے حقیقت چیز ہے اور فانی ہے تو ناحق ہم اس کے لئے اس قدر تکلیف اُٹھا رہے ہیں اور ہماری ساری جانفشانی برباد ہے پس اس کے متعلق ہم بھی اپنا خیال پیش کرتے ہیں۔

رُوح کے متعلق تین قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ خدا کا امر ہے اس سے زیادہ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ قول قرآن شریف سے ماخوذ ہے۔ دوم یہ کہ وہ خالق کی جنس میں سے ہے جیسے یونان کے کسی شاعر نے کہا کہ ہم خدا کی نسل ہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ خیال پرانے تصوف کا ہے تو بجا ہے۔ سوم یہ کہ وہ ایک قسم کے ابخرے ہیں جو جسم کی ترکیب سے متولد ہوتے ہیں یہ خیال جسمانی حکیموں کا ہے۔

دیکھو انسانی عقل کی لاچاری اپنے قریب کے چیز کے دریافت کرنے ہیں

اس قدر عاجز ہے تا بخود چہ رسد ۔

کیا وہ خدا جس نے ہمیں خورد و نوش کرنے کا مادہ عنایت کیا اور ایک قوت فکری بخشی اور انسانی ذہن کو کسی قدر رسائی عطا کی ہے اور اسباب حصول علوم روحانی اور جسمانی ہمیں دیئے وہ ہماری ذات ہی کے علم سے ہمیں محروم رکھیگا ہرگز نہیں ۔

الہام الٰہی ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ روح انسانی ایک ہوا ہے مگر نہ دنیاوی ہوا بلکہ یہ دوسرے جہان کی ہوا ہے اُس کا نام زندگی کا دم ہے جو خاص خالق موجودات سے نکلا ہے اور براہ راست خدا سے نکل کر آدمی میں آیا ہے سب حیوانات کی جانیں اُسی نے عالم اجسام میں سے وسیلہ نکھر کے پیدا کی گئی ہیں مگر انسان میں اُس نے آپ زندگی کا دم پھونکا ہے اسی کا نام روح ہے ۔

یہ ایک علیحدہ خیال ہے جسے چوتھا خیال کہا چاہیے یہ خیال تیسرے خیال سے بالکل مخالف ہے اور اُسے رد کرتا ہے اور اس تردید کی دلیل بھی اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ بتلاتا ہے کہ وہ ایک خاص ہوا ہے جو خالق سے نکلی ہے وہ نادیدنی چیز ہے اس لئے دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتی اسلئے لوگوں نے کہا کہ وہ فانی ہو کر رہ گئی ہے ۔

یہ خیال پہلے خیال کی تردید نہیں کرتا مگر یہ بتلاتا ہے کہ پہلا خیال ہوا ہے اور خاص بات ہے جس تک ہماری ذہن نہیں پہنچ سکتی ۔
لیکن دوسرے خیال میں اور اس میں ایک بڑا فرق ہے جو نہایت ضروری بھی ہے کیونکہ زندگی کا دم جو خدا سے نکلا وہ خدا کی جنس اور اُلوہیت کا ایک جزو نہیں ہے تو بھی خدا سے ایک قسم کی نسبت رکھتا ہے ۔

دیگر مخلوقات کی نسبت سے زیادہ خاص ہے۔
خدائی زندگی کا دم جو انسان میں پھونکا گیا وہ کیا چیز ہے کوئی انسان اسے بتلا نہیں سکتا جیسے خدا کے سمع و بصر وغیرہ کچھ اور ہی چیز ہے ایسے ہی اس کا دم بھی کچھ اور ہی چیز ہے۔
اس الہامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ روح انسانی مخلوقات سے بالاتر چیز ہے اور جسم انسانی دنیاوی چیز ہے اور ان کے میل سے انسان بنا ہے۔ حکیموں نے کہا ہے کہ جسم گھٹتا و بڑھتا ہے اور روح بھی اس کے ساتھ گھٹتی اور بڑھتی ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ وہ فانی جسم سے متولد ہے۔ لیکن یہ تسلی بخش قیاس نہیں ہے کیونکہ جسم عالم اجسام کے انتظام کے موافق ضرور گھٹے گا اور بڑھے گا لیکن آسمانی مخلوق جو روح ہے وہ اپنے مظہر یا مسکن یعنی جسم کی گنجائش یا طاقت اور ظرف کی موافق اس میں جلوہ گر ہوگی کیونکہ اس کا ظہور انتظام جہان کے موافق جسم میں ہوا ہے لیکن وہ ایک مستقل مخلوق ہے بموجب ان فضائل ستہ کے جو ذیل میں آتے ہیں۔
وہ جو روح کا گھٹنا بڑھنا جسم کے گھٹنے بڑھنے کے ساتھ دیکھ کر کہتے ہیں کہ روح کوئی مستقل جوہر نہیں ہے انہیں اس بات کے امکان پر بھی خیال کرنا چاہئے کہ مظہر روح یعنی جسم عالم اجسام کے انتظام کا ضرور مقید ہے اور ظہور روح ضرور مظہر پر موقوف ہے لیکن وہ شخص جو روح کا ظہور جسم کی ہر حالت میں کامل طور پر مانتا ہے گویا وہ یہ چاہتا ہے کہ روح اس عالم انتظام میں انتظام شکن ہو کے ظاہر ہو تب میں اسے مستقل جوہر جانوں گا لیکن یہ بات محال عادی ہے۔
اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ روح کی ترقی اور تنزل جو بدن کی قوت

اور ضعف کے لحاظ سے ہوتا رہتا ہے دیکھ کر ہم اُسے عناصر کی ترکیب سے پیدا شدہ ہرگز نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ روح میں کچھ فضائل نظر آتے ہیں جن کا جسم اور وہم سے پیدا ہونا ممکن نہیں ۔

پہلی فضیلت

روح انسانی کا مسکن یعنی تمام مادی اشیاء سے نہایت افضل اور اور یہ عظیم الشان مسکن مکین کی شان کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بھی ایک دلیل ہے اس بات کی کہ انسان کے بدن میں ایک ایسی عزت دار چیز رہتی ہے جو تمام دیدنی موجودات میں بےنظیر ہے گویا یہ حاکم کا محل ہے اور باقی رعیت اور نوکروں کے جھونپڑے ہیں ۔

دُوسری فضیلت

روح میں تمام مراتب عُلیا کے حاصل کرنے کی ایک ایسی استعداد ہے جو تمام دیدنی موجودات پر ایک عجیب فوقیت اور غلبہ اس میں معلوم ہوتی ہے ۔

تیسری فضیلت

تمام حیوانی ارواح میں سفلی صفات پشتہ نظر آتی ہیں یعنی شہوت۔ عداوت۔ غضب۔ خودغرضی۔ بےحیائی۔ بےرحمی وغیرہ۔ مگر روح

انسانی میں فضایل علویہ کی کرنیں بکثرت چمکتی ہیں مثلاً محبت۔ خوشی۔ صلح۔ خیر خواہی۔ فروتنی۔ پرہیزگاری۔ وغیرہ کی خواہشیں۔ اب اس بات پر غور کرنے سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کی خواہشیں اور ہیں اور روح کی خواہشیں اور ہیں اور اُن میں تباین ہے اور یہ اس لئے ہے کہ جسم اس جہان کا ہے لیکن رُوح عالم بالا کا مخلوق ہے ❖

چوتھی فضیلت

روح میں عجیب دو مقصد نظر آتے ہیں ابدیت کی خواہش۔ اور حقیقی خوشی کی اُمنگ۔ اور یہ باتیں عُلویت کی علامتیں ہیں۔ چونکہ روح میں یہ علامتیں موجود ہیں لہذا روح کو عالم بالا سے ایک خاص نسبت ہے ❖

پانچویں فضیلت

جو خواہشیں روح میں موجود ہیں اس جہان کی چیزوں سے کبھی پُوری نہیں ہو سکتیں مگر خالق ہی سے پُوری ہو سکتی ہیں اگر سارے جہان کی چیزیں اور حشمت اور خوشی روح کو دی جائے تو بھی روح سیر نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب خدا سے ایک لفظ بھی سُن لیتی ہے تو بڑی سیری آجاتی ہے۔ اس سے خوب ظاہر ہے کہ روح اس سفلی کرّہ کی نہیں ہے اُس کا کرّہ عُلوی ہے کیونکہ ہر چیز اپنے کرّہ کی طرف مایل ہے ❖

چھٹی فضیلت

وہ روحیں جنہیں اس جہان کی آلودگیوں نے کمزور دبایا ہے۔ اپنی نقل مکانی کے لئے کچھ جمع کرتی ہیں جو عالم اجسام میں نظر نہیں آتی ہے اور بہت سی روحیں ایسی ہیں جو عقل فراقی ہیں اور انتقال کے وقت کچھ قوی آسرا تلاش کرتی ہیں۔ پس ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی روح اس جہان کی چیز ہی نہیں ہے ضرور وہ عالم بالا سے ایک خاص نسبت رکھتی ہے ⁂

اس لئے ہمیں یقین ہوتا ہے کہ الہامی بیان جو اس کی نسبت ہے۔ صحیح ہے اور ہم الہام کے زیادہ متشکر ہیں کہ اس نے روح کی بابت عقل کی نسبت زیادہ کچھ بتلایا کہ روح ایک آسمانی جوہر ہے اور نہ ہم حقیر اور ناچیز ہیں اور مثل اور حیوانوں کے ذلیل ہیں بلکہ خدا کے فضل سے کچھ عمدہ چیز ہیں لیکن افسوس کہ ہم اپنی روح کی قدر نہیں جانتے ⁂

اب باقی رہی یہ بات کہ روح کس حالت میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آیا وہ فانی ہے یا غیر فانی۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ فانی ہے جسم کے ساتھ فنا ہو جائیگی مگر یہ بات قابل پذیرائی نہیں ہے کیونکہ بدن کے اعتبار سے جو روح کا مسکن ہے یہ حکم لگایا گیا ہے نہ کہ نفس روح کے اعتبار سے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جسم اس جہان کا ہے اور روح اُس جہان کی ہے اور دونوں کی خواہشوں میں تباین ہے البتہ کچھ عرصہ کے لئے بدن میں جو اس کا مسکن ہے رہتی ہے۔ لیکن مسکن کی بربادی سے روح کی بربادی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے ⁂

اس کے سوا عقل کے رُو سے نہ تو ہم انسان کی ابتدا معلوم کر سکتے ہیں اور نہ انتہا اور نہ روح کی ماہیت دریافت کر سکتے ہیں پس ان مجہولوں سے ایک معلوم کا نکالنا کہ وہ فانی ہے کس طرح ممکن ہے ہاں جسم کے علاقہ سے ممکن ہے لیکن اُس کے ساتھ تو جسم کا حقیقی علاقہ ثابت نہیں ہوتا ہے پس فنا کا نتیجہ نکالنا ایسی حالت میں صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے۔

ہم اُوپر اس امر کا بیان کر چکے ہیں کہ روح کو ایک خاص نسبت ہے اُس سے جو غیر فانی ہے لہذا روح بھی غیر فانی ہے۔

پھر دیکھو کہ عالم کا انتظام یعنی اس جہان کا بندوبست اگرچہ بظاہر انسان کے ہاتھ میں ہے لیکن حقیقت میں مدبر اعلیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ انتظام موقوف ہے اس بات پر کہ روح غیر فانی ہے اور اُسی عالم الغیب کے سامنے جوابدہ ہوگی۔ اگر یہ اعتقاد کہ رُوح فانی ہے عالمگیر ہو جائے تو جہان کا انتظام بالکل برباد ہو جائے اور سب ہلاک ہو جائینگے یا کتوں اور گدھوں کی طرح زندگی بسر کرینگے پس ہمارے خالق کی طرف سے ہمارے انتظام کی صورت ظاہر کرتی ہے کہ ہم غیر فانی ہیں اور ناممکن ہے کہ وہ فریب دے۔

اگر روح فانی ہے تو پھر نیکی کا اجر اور بدی کی سزا کی توقع رکھنا عبث ہے اور منتظم بلکہ خدا کے وجود کا اقرار کرنا اس سے عبث تر ہوگا۔

مسیح خداوند نے سب سے زیادہ رُوح کے غیر فانی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً جب منکران قیامت اور رُوح کے فنا کے قائل لوگ ان کے پاس آئے تو آپ نے انہیں جواب دیا کہ کیا تم نے موسیٰ کی کتاب میں جھاڑی کے مقام پر نہیں پڑھا کہ خدا نے اُسے کیونکر کہا کہ میں ابراہیم کا خدا اور اضحاق

کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں مُردوں کا خدا نہیں بلکہ زندوں کا خدا ہوں ۔

آپ نے خدا کی ہستی کو ثابت کر کے یہ تعلیم دی کہ روحیں غیر فانی ہیں کیونکہ جب خدا ہے اور اس کی ہستی میں کچھ شک نہیں ہے تو ضرور روح غیر فانی ہے کیونکہ جب روحوں کا خالق زندہ ابد تک موجود ہے تو پھر روحیں بھی موجود ہو سکتی ہیں اور جب اس میں وہ قدرت ہے جس پر جہان قائم ہے تو اور بھی زیادہ ثبوت ہے کہ خدا قائم رکھ سکتا ہے کیونکہ اُس میں قدرت ہے جو موجب عدم فنا ہو سکتی ہے ۔ اور مسیح نے یہ بھی جتلایا کہ ابراہیم اسحاق یعقوب اگرچہ مر گئے تو بھی موجود ہیں وہ خدا کی طرف مضاف ہیں زندہ خدا معدوم شئے کو اپنی طرف مضاف نہیں کرتا ہے پس یہ لوگ اگرچہ مر گئے تو بھی کہیں موجود ہیں ۔ اور جھاڑی کے اشارہ میں یہ بھی جتلایا کہ اگرچہ موت کی آگ میں پھنس جاتے ہیں تو بھی نہیں مرتے ہیں جیسے وہ بوٹا آگ میں نہ جلتا تھا کیونکہ قادر مطلق ان کی حفاظت کرتا ہے اس کے سوا لعاذر کو جلا کے اور یائر سردار کی لڑکی کو زندہ کر کے اور شہر نائین کے بیوہ کے بیٹے کو جاتے ہوئے جنازہ سے کھڑا کر کے مسیح نے عملاً ثابت کیا کہ روحیں موت کے بعد فنا نہیں ہو جاتی ہیں بلکہ وہ زندہ رہتی ہیں ۔

اور پھر آخر کو اُس نے اپنی موت اور زندگی سے اس امر کا ایسا ثبوت دیا کہ جس میں کسی طرح کا شک ہی باقی نہ رہا ۔ اور جیسا دین مسیحی بہت سی باتوں میں ممتاز ہے اسی طرح مُردوں کی قیامت کے ثبوت میں بھی سب سے زیادہ ممتاز ہے ۔ یہودیوں اور مسلمانوں میں اس کا ذکر ہے کہ قیامت ہوگی اور روحیں غیر فانی ہیں مگر اس کا یقینی ثبوت صرف مسیحی مذہب میں ہے ۔

چھٹا لیکچر

رُوح کی موجودہ حالت

گذشتہ لیکچر میں اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ انسانی روح کوئی معمولی مخلوق نہیں ہے بلکہ اس میں عالم بالا کی خوبیاں ٹمٹماتی ہیں اور اس کی خواہشیں صرف خدا میں پوری ہوتی ہیں اور یہ کہ وہ غیر فانی شئے ہے۔

آج روح کی ایک دوسری خطرناک حالت کا بیان کرینگے جو حالت مذکورہ بالا کی نسبت زیادہ تر واضح ہے۔

اگر روح فانی ہوتی تو کچھ خوف نہ تھا مگر یہ حالت جس کا ذکر کیا جاتا ہے فنا کی بہ نسبت زیادہ خوفناک ہے۔ اس کی اس خطرناک حالت کا بیان تو بہت بڑا ہے لیکن مختصراً کچھ ذکر کرتا ہوں۔

پہلی بات

انسان کی روح پر ایک قسم کی تاریکی چھائی ہوئی ہے

یہ تاریکی تین طریقوں سے ثابت کی جا سکتی ہے:۔

(۱) روحانی باتوں سے سخت بے خبری جو بعض آدمیوں میں صاف

ظاہر ہے کہ اُن کی روح اپنے خالق و مالک کی نسبت کس قدر بیخبر ہے اور اُس کی مرضی پر چلنے سے کیسی غافل ہے اور اپنی نسبت کہ میں کون ہوں اور کس حالت میں ہوں اور کس حالت میں مجھے ہونا چاہئے کچھ بھی نہیں جانتی ہے یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ روح پر سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے اگر روح میں کچھ بھی روشنی ہوتی تو وہ سب باتیں جانتی ہوتی ✦

(۲) بُرے کاموں میں منہمک رہنا اس تاریکی کو ظاہر کرتا ہے یعنی جُھوٹ۔ کینہ بُغض۔ خودغرضی۔ حسد۔ لالچ۔ کُفر۔ غرور وغیرہ جو آدمیوں کے اندر سے نکلتے ہیں یہ سب ظاہر کرتے ہیں کہ روح تاریکی میں ہے ✦

(۳) مکروہات اور خواہشات نفسانی کا ہجوم جو روحوں پر غالب ہے یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ روحوں پر ایک تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ روحوں کی اس تاریکی سے تو ہم واقف ہیں مگر یہ نہیں بتلا سکتے ہیں کہ یہ تاریکی کہاں سے آگئی ہے۔ اُس روح کی بے چینی ظاہر کرتی ہے کہ یہ اس کی اصلی حالت نہیں ہے عارضی حالت ہے لیکن یہ کہ یہ مرض اُسے کہاں سے لگ گیا عقل کچھ نہیں بتلا سکتی ہے لیکن الہام بتلاتا ہے کہ یہ توجہ الٰہی کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے یا بُعد الٰہی کا اندھیرا ہے یا خدا سے نسبت خاص میں گناہ کے سبب فرق آجانے کا اندھیرا ہے وہ اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تاریکی نہ تو سورج کی روشنی سے اور نہ علوم دُنیاوی کی روشنی سے اور نہ بدنی و روحانی ریاضت سے دُور ہو سکتی ہے۔ کیونکہ سب اہل علم اور اہل ریاضت میں بھی

اور سب لوگوں کی طرح یہ اندھیرا پایا جاتا ہے اگرچہ وہ بہت کوشش کرتے ہیں لیکن دفع نہیں ہوتا ۔

لیکن قربِ الٰہی ضرور اس تاریکی کے دفع کا موجب ہو سکتی ہے کیونکہ جس قدر روح خدا کے نزدیک ہوتی جاتی ہے اُسی قدر روشنی آتی جاتی ہے اور تاریکی دفع ہوتی جاتی ہے ۔

دوسری بات

ایک قسم کی غفلت و غنودگی روحوں پر طاری ہے

اور یہ غنودگی تین باتوں سے ثابت ہوتی ہے :۔

(۱) باوجود اس کے کہ روح جانتی ہے کہ میں مسافر اور مفربی ہوں تب بھی اس اقرارِ سفر اور حالتِ سفری کی روحیں حالتِ قیامی کی دُنیا کو اپنی قیامگاہ و جائے قرار کی طرف مائل ہوتی ہیں جیسے بیٹھے ہوئے مسافر نیند کے سبب سے ٹھنڈی ہوا میں درختوں کے نیچے سونے کی طرف مائل ہوا کرتے ہیں ۔

(۲) غیرت اور دانائی اور تنبیہ کے ذریعے بار بار روحوں کو بیدار کرتے ہیں لیکن وہ آہ غفلت کی نیند سوتی جاتی ہیں سر اُٹھاتی ہیں اور پھر سو جاتی ہیں غرضیکہ غضب کی غنودگی میں گرفتار ہیں ۔

(۳) یقینی خطرہ میں بھی ایک عجیب سے پروائی اور بیفکری روحوں میں دیکھی جاتی ہے یہی غفلت اور غنودگی کا کامل ثبوت ہے ۔

یہ غفلت اور غنودگی ایسی ہے جیسے آدمی نشے کی حالت میں ہو یا جیسے سانپ کے ڈسے ہوئے پر زہر چڑھا ہوا ہو جو بجز سونے کے اور کسی چیز کا نام تک نہیں لیتا ہے ✦

عقل نہیں بتلا سکتی کہ یہ غنودگی کہاں سے آگئی اگرچہ روح کے فضائل مذکورہ کی تو یہ ضرور خلاف ہے تو بھی پیدائش ہی سے روحوں میں یہ پائی جاتی ہے ✦

الہام بتلاتا ہے کہ یہ عیب انسان کی جڑ میں آگیا ہے جو پہلوں میں ظاہر ہوتا ہے جیسے کوڑھ یا تپدق نسل میں جاری ہو جاتا ہے اسی طرح گناہ آدم کے سبب سے روحوں میں پایا جاتا ہے جس کو ہم غفلت یا غنودگی کہتے ہیں ✦

اس کا علاج نہ کوئی طبیب کر سکتا ہے نہ کوئی جادوگر نہ عاقل نہ عالم نہ امیر نہ فقیر لیکن خدا میں قدرت ہے کہ وہ اس کا معالجہ کرے ✦

تیسری بات

رُوح دو متضاد کششوں میں گرفتار ہے

روحوں کو نیکی اپنی طرف کھینچتی ہے اور بدی اپنی طرف۔ آزادگی ایک طرف کھینچتی ہے اور قید ایک طرف تنگ راہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور ہر کشادہ راہ اپنی طرف ۔یہ دونوں کششیں باوجود سخت گرفت کے روح پر جبری دست اندازی نہیں کر سکتی ہیں اور نہ اپنی طرف مائل

کرسکتی ہیں تاوقتیکہ روح اس پر راضی نہ ہو اور یہ ایک سخت خطرناک حالت ہے کیونکہ جیسے ابدی خوشی میں داخل ہونے کی اُمید ہے ویسے ہی ابدی ہلاکت میں پھنس جانے کا بھی خوف ہے ۔

چوتھی بات

رُوح ایک خدمتگار کی حالت میں خدمت کیلئے مستعد معلوم ہوتی ہے

روح ایک خادم کی طرح ہے جسے دو آقا اپنی اپنی خدمت کے لئے بُلاتے ہیں۔ خدا اس کو الہام کے وسیلے سے اپنی خدمت کے لئے بُلاتا ہے۔ اور شیطان یا دُنیا اُسے اپنی خدمت کے لئے بُلاتی ہے۔ اور یہ تو ناممکن ہے کہ ان دونوں میں سے وہ کسی کی بھی خدمت نہ کرے۔ وہ کبھی بیکار رہ نہیں سکتی کیونکہ خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے اور ہر وقت کچھ نہ کچھ کام میں لگی رہتی ہے خواہ شیطان کا ہو یا رحمٰن کا اور چونکہ آقا مخالف ہیں اس لئے اجر بھی مخالف ہونگے جب تک کامل تسلی نہ ہو کہ میں کس کی طرف ہوں اور کس کی خدمت کرتا ہوں اس وقت تک بے حد تشویشناک بات ہے ۔

پانچویں بات

روح نہ صرف انتقال کے ماتحت ہے کہ اُسے اس دُنیا سے نقل مکانی کرنا ہوگا بلکہ ابدی موت بھی اس پر سایہ فگن نظر آتی ہے۔ اور اس کا ثبوت ذرا غور طلب ہے جو دو طرح پر ہے :-

(۱) روحوں میں الٰہی طبیعت سے جُدائی پائی جاتی ہے مگر سب کی روحوں میں نہیں بلکہ اُن لوگوں کی روحوں میں جہاں نہ محبت ہے نہ پاکیزگی نہ خیر اندیشی ہے اور نہ رفاہ عام۔ کیونکہ جہان پر نظر کرنے سے خالق کی طبیعت میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں لیکن جس روح میں یہ باتیں نہیں ہیں ضرور وہ الٰہی طبیعت سے جُدا ہے اور یہ جدائی ہے موجب غضب الٰہی کا ✤

(۲) جسمانی مزاج یعنی وہ مزاج جو جسمانیت کا غلبہ روحانیت پر ظاہر کرتا ہے اور جس کی علامت غصہ۔ خود غرضی۔ اور شہوت پرستی ہے۔ یہ نشان ہے ابدی موت کے سایہ کا ✤

چھٹی بات

ان سب خطرناک باتوں میں انسان ایسا مقید نظر آتا ہے کہ اگر وہ چاہے کہ نکلے تو اپنی طاقت سے نکل نہیں سکتا ہے گویا جال میں پھنسا ہُوا ہے ✤

وہ نہ آپ نکل سکتا ہے اور نہ کوئی چیز سوائے خدا کے اُسے نکال سکتی ہے وہ ایسا ہے جیسے جیلخانہ میں قیدی ہوتے ہیں یا جیسے چڑیا لوہے کے پنجرے میں بند ہوتی ہے۔

ہزار پھڑپھڑائے اور ریاضت کی چونچ مارے اور ذکر فکر مجاہدہ۔ مراقبہ شغل اشغال وغیرہ کی تدبیریں نکالے اس قید سے نکلنا محال ہے یہ اس وقت نکل سکتا ہے جب کوئی باہر سے آئے اور قفس کا دروازہ کھول دے ✦

اگر روح کی اصلیت اور فضائل پر سوچیں اور اس خطرناک حالت پر بھی غور کریں تب نجات کی احتیاج معلوم ہوتی ہے بلکہ نجات کے معنی بھی یہی ہیں۔ کہ کوئی ہمیں اس حالت سے نکالے اور اسی زندگی میں نکالے۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ مرنے کے بعد تم معاف کئے جاؤگے اور بہشت میں داخل ہوگے اور اب ہمارا یہ مذہب قبول کرلو؟

صحیح مذہب کے قبول کرنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ ہمیں اس بُری حالت سے ابھی نکالے اور الٰہی طبیعت میں داخل کرے تب تو ضرور ہماری نجات ہوگی ✦

اور اگر ہم اپنے گناہوں میں اور اس بُری حالت میں پھنسے ہوئے مرگئے تو ضرور ابدی ہلاکت میں پھنس جائینگے اور یہ ناممکن ہے کہ وہاں بخشش ہو جہاں ایک زبردست عادل منصف عدالت پر بیٹھا ہو۔

پس مناسب تو یہ ہے کہ جو کوئی نجات دہندہ ہونے کا دعوےٰ کرے یا اعمال حسنہ کو موجب نجات بتلائے اسی دنیا میں ہمیں اس سے مستفید کرے ✦

صرف مسیح خداوند اس حالت سے نجات دینے کا مدعی ہے اور کوئی نہیں بلکہ اور لوگوں نے تو اس بدحالت کو اچھی طرح معلوم بھی نہیں کیا ہے ۔

ہزارہا روحیں جنہوں نے مسیح کے طفیل سے خلاصی پائی ہے پکار پکار کے کہتی ہیں کہ ہمیں مسیح نے اس بُری حالت سے بچالیا ہے اور اُن کے اقوال و افعال اور زندگی ظاہر کرتی ہیں کہ سچ مچ وہ بدحالت سے نکل گئی ہیں پس اس نقد بخشش کے بالمقابل ہمیں اور کیا چاہیئے؟

پس جب ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم اس بُری حالت میں ہیں ۔ اور اس سے نکلنا بھی ممکن ہے ۔ اور اگر ایسا ہو تو بھی ہم اس بُری حالت سے نکلنے کی کوشش نہ کریں تو یقیناً ہم خودکشی کے مرتکب ہونگے ۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نیکی کے وسیلہ سے اس حالت سے نکلیںگے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ نیکی موقوف ہے نجات پر ۔ نجات ہو جائے تب نیکی ہو نہ یہ کہ نجات موقوف ہے نیکی پر کیونکہ یہ بدحالت عقلاً و نقلاً نا ممکن ہے پس چاہیئے کہ سب لوگ پہلے اس حالت سے نکلنے کا فکر کریں اور فکر اتنا ہی درکار ہے کہ باقی وسائل کو چھوڑ کر اسے پکاریں جو منجی رحیم اور گنہگار آدمیوں کو خلاصی دیتا ہے فقط ۔

ساتواں لکچر

اس مقصد پر کہ انسانی روح مذکورہ خطرناک حالت سے کیونکر خلاصی پا سکتی ہے۔

یہ مشکل اور ضروری سوال کئی طرح ادا ہو سکتا ہے مثلاً انسان کی نجات کیونکر ہو سکتی ہے۔ یا اے بھائیو ہم کیا کریں کہ نجات پائیں۔ وغیرہ وغیرہ جس طرح یہ سوال مختلف طور پر ادا ہو سکتا ہے اسی طرح اس کے جوابات بھی مختلف پیرایہ میں دیئے جاتے ہیں۔

لیکن اس پیارے سوال کا صحیح جواب سننے کو ہر عقلمند کا دل ضرور چاہتا ہے کیونکہ اس کا صحیح جواب زندگی کا مرکز ہے اُسے دنیا و زندگی سے مطلق نا اُمید ہونا ہے۔

پہلا جواب

بعض دنیاوی عقلمند یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حالت سے آدمی نکل ہی نہیں سکتا ہے اس لئے اس کا فکر ہی کرنا بے فائدہ ہے لیکن یہ اعتقاد کئی وجوہ سے غلط ہے۔

(۱) روح کے فضائل مذکورہ اور اس کی قدر کی اس میں کچھ رعایت نہیں ہے ◆

(۲) خدا کی قدرت کا اس میں انکار ہے ◆

(۳) سراسر جسمانیت پر مبنی ہے ◆

(۴) خدا کا وہ قانون انتظام جو اصلاح مفاسد کے لئے ہے اس میں مفقود ہے ◆

(۵) روح کی تمنائے خوشی کی تکمیل اس میں نہیں ہے جو عقلاً ناجائز ہے وغیرہ ◆

دوسرا جواب

بعض اہل مذاہب یہ جواب دیتے ہیں کہ انسانی راستبازی اس کو موت کے بعد رہائی دیگی ◆

یہ جواب عام طور پر پسند کیا جاتا ہے اور عام لوگ فوراً یہی جواب دیتے ہیں لیکن یہ جواب منطقی طور پر باطل ہے ◆

(۱) جو تلوار اس وقت کاٹ نہیں کرتی وہ جنگ میں کیونکر کام دیگی ؟

(۲) زور آور کے قبضہ سے کمزور نہیں بلکہ زور آور تر چھڑا سکتا ہے۔ حالانکہ ہم اس حالت میں نیکی کو مغلوب اور بدی کو غالب دیکھ رہے ہیں پھر کیونکر اس عقیدہ پر اعتبار کریں ◆

(۳) کیا قوت غالب کے باوجود ہم مغلوب ہیں یا عدم قوت کے سبب ہے ؟

(۴) آجتک کسی آدمی میں قوت مخفیہ کیوں ظاہر نہیں ہوئی ہے

(۵) اگر ہم روشنی رکھتے ہوئے تاریکی میں پھنسے ہوئے ہیں تو خطرناک

حالت کچھ بات ہی نہیں ہے؟

(۶) انسانی راستبازی کا لبادہ ہے جو لتّے سے اس میں سے کچھ بھی نہیں نکل سکتا ہے۔

(۷) جو لوگ کہتا ہے کہ نیکی کے ذریعہ سے ہم کچھ اس کا مطالبہ پورا کر چکا قرض ادا کر سکتے ہیں تو ہو سکتا ہے لیکن یہ انہونی بات ہے درحقیقت اس کے معنی یہ ہیں کہ نجات نہیں ہو سکتی ہے۔

یہ خیال شریعت قلبی اور تحریری کی بابت پیدا ہوا ہے نہ شریعت سے کیونکہ شریعت میں راستبازی کرنے کا ذکر اور اس کے کرنے کی بڑی تاکید اس غرض سے ہے کہ انسان اپنی حالت لاچاری کو معلوم کرے نہ اس لئے کہ وہ راستبازی کریگا اور اس کے وسیلہ سے نجات پائیگا پس وہ حالت خالی ہے۔

حقیقت میں خلاصی کا موقوف علیہ راستبازی نہیں بلکہ راستبازی کا موقوف علیہ خلاصی ہے اور خلاصی کا موقوف علیہ کچھ اور ہوگا اور وہ مسیحی ایمان ہے۔

تیسرا جواب

پرانے جاہلوں کا ہے کہ ہم جس حال میں پیدا ہوئے ہیں اس حال میں پڑے رہینگے خدا اپنے فضل سے آپ ہی نکالیگا۔ اس جواب میں کچھ راستی اور کچھ ناراستی ملی ہوئی ہے۔

خالق کے فضل پر تکیہ کرنا راستی کی بات اور مناسب بھی ہے اور عقل بھی اسے قبول کرتی ہے۔ مگر ناراستی اس جواب میں یہ ہے کہ۔

(1) بدحالتی میں سے شروع پڑے رہنا بدحالی کو پسند کرنا اور سزا کی حالت کو حقیقی سمجھنا ہے۔

(2) اس جواب کو پسند کرنا اس فعلی کشش کی تڑپ کو جو روح میں مرکوز ہے منسوخ کرتا ہے۔

(3) عالم اسباب میں رہ کر وسائل رحم سے قطع نظر کر کے رحم کا امیدوار رہنا بیوقوفی ہے۔

(4) خالق میں نہ صرف رحم ہی ہے مگر اور صفات بھی ہیں پس کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ ہماری طرف نہ صرف صفت رحم ہی مرعی ہوگی حالانکہ آثار غضب بگواہی حالت بدیہ ہم پر بشدت طاری ہیں۔

(5) ایسا نہ ہو کہ بیٹھے پڑے رنگین محلوں کے خواب دیکھتے رہیں۔

ان تینوں جوابوں کے ماحصل

(1) یہ تینوں جواب کیا ہیں ناسمجھی اور غفلت کے نتیجے ہیں اور انجام موت ہے۔

(2) اب یہ بھی دیکھ لو کہ اس لاچاری کی حالت میں انسانی عقل کوئی مفید تدبیر نہیں نکال سکتی جس سے انسان اس بدحالت سے نکلے۔

(3) یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سارے مذاہب جن میں یہ تقریریں کی گئی ہیں خدا سے نہیں ہیں کیونکہ یہ ہمیں مخلصی کی راہ نہیں دکھلا سکتے ان کے خیال میں بھی مخلصی کی راہ نہیں آئی ہے۔

چوتھا جواب

وہ ہے جو الہام کی کتابوں سے ملتا ہے اور وہ ان سب سے نرالا ہے اور اُسی سے انسان کی تسلی ہوتی ہے وہ یہ ہے ۔

کہ اس بد حالت سے مخلصی اسی زندگی میں اُس الٰہی حکمت سے ہو سکتی ہے جو بڑی گہرائی کے ساتھ یسوع مسیح میں ظاہر ہوئی ہے بشرطیکہ طالبانِ نجات کے دل اُس کے لئے اُسی حکمت کی مناسبت پر مستعد و طیار ہوں ۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ نجات صرف خدا کی طاقت سے ہے ۔ مگر اس کی خواہش انسان کی طرف سے چاہئے ۔ یعنی اگر وہ چاہے کہ میں نجات پاؤں تب خدا اُسے نجات دیتا ہے ۔

پس چاہئے کہ آدمی بد حالی پر اور لاچاری پر اور روح کی پاک خواہشوں پر اور شریعت کی تکمیل پر جو مطلوب ہے غور کر کے اُس (وابستگی کو) جو حقیقت میں اُس کے اندر ہے اور وہ نہیں جانتا خوب معلوم کرے ایسا کہ نہ صرف اُس کی زبان بلکہ اُس کی روح یوں چلائے کہ گناہ اور غم کے غار میں سے ۔ میں کرتا ہوں فریاد ۔ خدایا میری سُن آواز ۔ اور فرما تو مجھے یاد ۔ اسی کا نام دروازہ کھٹکھٹانا ہے اسی کو خالص طلب کہتے ہیں یہی موقع کشش رحمت کا ہے یا اخذ اشیاء کا انتخاب صداقت سے موقع ہے ۔

یہ حالت ایک محتاج روح کے ہاتھ پھیلانے کی ہے اُس سچے غنی اور سخی کے سامنے جس کے دروازہ سے کوئی نا اُمید نہیں پھر سکتا

اور جس کا دروازہ چھوڑ کر کسی دروازہ سے کچھ فائدہ نہیں پا سکتے۔ عقل بھی کہتی ہے کہ قادر مطلق کا فضل اس حالت کے ساتھ ہمراہ ہونا چاہیئے۔

کیا رکاوٹ و مزاحمت کے ساتھ کوئی کشش پوری قوت دکھلا سکتی ہے ہرگز نہیں۔

یا کیا بدوں تشخیص کے صحت ہو سکتی ہے اور دوا کارگر ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔

کیا جہل مرکب لیکر ہم علوم میں ترقی کر سکتے ہیں کبھی نہیں۔ پس اس حالت سے نکلنے کے لئے اس قسم کی تیاری کی ضرورت ہے۔

تب الٰہی قوت اس حالت سے نکالنے کے لئے جو ہر وقت موجود ہے اپنی تاثیر دکھلائیگی اور روح کے بندھن کھل جائینگے اور پہلے روح پر پو پھٹنے کی روشنی چمکیگی۔

اگرچہ ہزاروں پر جو اس کے ارد گرد ہیں رات رہے لیکن اس شخص پر ضرور پو پھٹیگی۔

دیکھو مسیح کے شاگرد یوں چلاتے ہیں (۲ قرنتی ۴ - ۶) "خدا جس کے حکم کی مطابق تاریکی سے روشنی چمکی اس نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا"۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں روشنی آگئی۔ نہ یہ کہ ہم روشنی کے امیدوار ہیں۔ اور ضرور ان میں روشنی تھی۔ ان کے اقوال اور ان کی زندگی سے ظاہر ہے کہ ان کے دل ضرور روشن تھے اور اس میں کیا شک ہے کہ جب مہلکات روحانیہ دل سے نکل گئیں یعنی حسد، غضب، کینہ، بدی وغیرہ اور باطل خیالات بھی دماغ سے دور ہوئے اور اس

کے عوض صحیح خیالات اپنے اور خدا کے اور جہان کی نسبت قائم ہوئے اور محبت۔ خلق و خیراندیشی اور ہمدردی اور رحم سے بھرپور ہو گئے تو پھر کیونکر نہ کہیں کہ اندھیرا جاتا رہا اور روشنی آگئی اور یہ ایسی روشنی ہے کہ اس کے لئے اہل ریاضت سر پٹک کر مر گئے لیکن اُن کو میسر نہ ہوئی اور نہ اہل علم کو بھی یہ بات حاصل ہوئی۔ اس لئے مسیح کے شاگرد یہ بھی بتلاتے ہیں کہ یہ روشنی ہم میں کہاں سے آئی سر چشمہ روشنی کہاں ہے ٭

خدا روشنی کا سرچشمہ ہے جس نے سب کچھ نیست سے ہست کیا اُدھر سے روشنی آگئی۔ پس وہ روشنی کا سرچشمہ بھی درست بتلاتے ہیں اور ضرور اُن میں روشنی بھی ظاہر ہے لہذا چھٹے لکچر کی پہلی بات دفع ہوئی ٭

اور جب دل میں دن ہو گیا تو پھر غنودگی کہاں اب دیکھو اُن کی سرگرمی کو کہ دُنیا خواب غفلت میں بڑبڑاتی ہے اور وہ کیسی پُرمحبت باتوں سے جگاتے ہیں اور جاگتے ہیں اُنہوں نے خدا کو پسند کیا اور دُنیا کو چھوڑ دیا۔ وہ خدا کی خدمت کرتے ہیں پر اہل دُنیا اپنی نفس پروری میں مشغول ہیں اُن کے سر پر سے موت کی گھٹا ہٹ گئی ہے فضل اور برکات سماوی کی اوس اُن پر صاف پڑتی ہوئی نظر آتی ہے اُن کے سارے دُنیاوی بندھن ٹوٹ گئے لہذا وہ آزاد ہیں ٭

حاصل کلام یہ ہے

کہ اس بد حالت سے انسان نکل سکتا ہے کیونکہ اگرچہ وہ جسمانی تولّد کے اعتبار سے اس حالت میں پیدا ہُوا ہے مگر روحانی تولّد کے اعتبار سے پیدا نہیں ہوا ہے ٭

ہاں ہماری کوشش اور ہماری راستبازی اس حالت سے ہرگز نہیں نکال سکتی لیکن خدا کی قدرت جو یسُوع مسیح میں ظاہر ہوتی ہے اُسی سے خلاصی پاسکتے ہیں ٭

خدا پر بیہودہ بھروسہ رکھنا بھی نہیں نکال سکتا کیونکہ شان الوہیت اور انتظام عالم کے خلاف ہے ٭

لیکن ایک ہی نام ہے جس سے نجات پا سکتے ہیں اور وہ خداوند یسُوع مسیح ہے فقط ٭

آٹھواں لیکچر

خدا کی ذات و صفات

لفظ کیا ذات پر دلالت کرتا ہے اور کیا صفات پر۔ مگر یہ نہایت مشکل سوال ہے۔ خدا ہمیں غلطی سے بچاوے اور اپنے صحیح عرفان ہمیں عنایت کرے ۔

یہ سوال اگرچہ نہایت ہی مشکل ہے مگر اس قدر نہیں کہ سمجھ میں نہ آسکے کیونکہ اگر وہ ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا ہے تو گویا کہ ہم ایک وہمی خدا کی پرستش کرتے ہیں اور اگر یہ کہیں کہ ہم خوب جانتے ہیں تب وہ خدا نہ رہے گا جو ہمارے ذہن میں سمایا ہے مگر جس قدر جاننے کی طاقت خدا نے بندوں کو بخشی ہے اتنا جانتے ہیں۔ ہاں کما حقہ جاننا محال ہے اس لئے کہتے ہیں ما عرفناک حق معرفتک لیکن ایک مافوق الفطرت شخص جو الوہیت میں خدا کے برابر ہے وہ فرماتا ہے کہ اے باپ میں تجھے جانتا ہوں اور دنیا نے تجھے نہیں جانا اور اس کا فرمانا بجا ہے کیونکہ وہ اوپر سے ہے ۔

سوال کا پہلا حصہ کہ خدا ایک ہے

اس کی بابت عقل صرف اتنا کہہ سکتی ہے کہ وہ ایک واجب ہستی

ہے جو قائم بذاتہ و غیر مرئی ہے ؛

کیونکہ ہر شے قائم بالغیر نظر آتی ہے اور ایک دوسرے پر موقوف ہے اور دور و تسلسل تو باطل ہی ہیں ۔ اس لئے چاہیئے کہ کوئی ہستی قائم بالذات ہو جس پر تمام سلسلہ منتہی ہو جاتا ہے ؛

لیکن اس کی نسبت یہ سوال کرنا کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے اور کہاں ہے کوئی کچھ نہیں جان سکتا اور نہ بتلا سکتا ہے آدمی کی عقل نے صرف اس کی ہستی پر گواہی دی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں بتلا سکتی ہے پس اس سوال کے جواب میں کہ خدا کیا ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے بجز اس کے کہ خدا ایک ہستی ہے جس کا ہونا ضروری ہے اور وہی مدار و موقوف علیہ ہے سب موجودات کا اور کوئی بالکنہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور کیسا ہے ؛

سوال کا دوسرا حصہ کہ کیسا ہے ؟

اگرچہ ہم اس کی ماہیت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن من وجہ کسی قدر بیان کر سکتے ہیں مگر پہلے ذیل کے فقروں پر غور کر لینا چاہیئے وہ یہ ہیں :-

(۱) کہ حقائق اشیا ضرور ثابت ہیں یعنی چیزوں کی حقیقتیں جہاں تک انسان کی عقل نے دریافت کی ہیں ضرور ثابت ہیں وہ وہمی یا فرضی نہیں ہیں ۔ مثلاً آگ ایک حقیقی چیز ہے جسے جلانے کی طاقت ہے نہ کہ ایک فرضی یا وہمی چیز ؛

(۴) ہمارے حواس اور ہماری قوت فکری بیکار شے نہیں ہے اور ہمارے صحیح تجربات یقینی ہیں۔
پس جبکہ یہ بات ہے تو اب خدا کی نسبت بھی کچھ فکر کر سکتے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔
بعض کہتے ہیں کہ وہ نرگن یعنی بے صفات ہے لیکن یہ بات تسلی بخش نہیں ہے کیونکہ دُنیا کی ہر ایک چیز میں کوئی نہ کوئی صفت ہوتی ہے اور ہر ایک نئی چیز میں نئی صفت نظر آتی ہے پس جبکہ مخلوقات میں صفات موجود ہیں تو اس کے کیا معنی ہیں کہ خالق میں صفات نہ ہوں اس لئے یہ خیال کہ خدا میں کوئی صفت نہیں ہے باطل ہے۔
اس خیال فاسد کا حاصل یہ ہے کہ گویا خدا ایک بیجان مادہ ہے اور دُنیا کا کارخانہ عبث۔
اس خیال میں الہام کی روشنی کی ذرا سی بھی آمیزش نہیں ہے اس لئے یہ خیال نہایت بیہودہ اور ہلاک کن ہے۔

لیکن جن کو الہام سے کچھ بہرہ ملا ہے وہ کہتے ہیں کہ

خدا واجب الوجود ہے اور جامع جمیع صفات کمال ہے یعنی قدم حیات قدرت علم سمع بصر ارادہ اُس میں ہے اور وہ تمام عیوب سے پاک ہے مکان زمان جوہر عرض جہات وغیرہ سے مبرّا ہے۔
یہ سارا بیان درست اور اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا ضرور ایسا ہی ہے مگر یہ خیال عقل اور الہام کی آمیزش سے نکلا ہے نہ صرف عقل

سے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب عقل الہام کی پیروی کرتی ہے تو باعث فلاح دارین ہوتی ہے اور جب الہام سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو دونوں دنیا میں برباد کرتی ہے اہل اسلام یہاں تک تو ہمارے ساتھ متفق ہیں مگر آگے چل کر الٹ چلی ہے ۔

بیان بالا میں جو خدا کی نسبت ہے اگرچہ الفاظ مناسب استعمال ہوئے ہیں لیکن تعریف کا مفہوم ادا نہیں کرتے ہیں پس اقتضاء روح کیونکر پورا ہو سکتا ہے اور معرفت جس سے تسلی ہو کہاں کس طرح حاصل ہو سکتا ہے ۔

اقتضاء روح معرفت اسی سے پورا نہیں ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی نسبت یہ الفاظ سنیں بلکہ اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت ہے پس نہ تو عقل کی آنکھ سے کچھ دیکھا نہ جسم کی آنکھ سے مگر یہی سنا کہ کچھ ہے ۔ اب روح کی سیری کیونکر ہو روح تو دیدار کی مشتاق ہے اور ان باتوں سے جو اوپر مذکور ہیں دیدار تو کہاں کچھ مفہوم بھی تسلی بخش خیال کی آنکھ کے سامنے نہیں گذر سکتا ۔

پہلے اس بات کو معلوم کرنا چاہیے کہ انسان کی روح خدا کے دیدار کی مشتاق ہے اور یہ اس کی ایک خواہش ہے جو خالق کی طرف سے اس میں رکھی گئی ہے اور یہ عمدہ اور پاک اور اچھی خواہش ہے مگر لوگوں نے بے جا طور پر اس کی تکمیل اپنی مرضی سے کرنے کا ارادہ کر کے کیا کیا کچھ نہیں کیا ۔ بہتوں نے اوتار ہونے کا جھوٹا دعوی کیا یا لوگوں نے انہیں اوتار فرض کر کے چاہا کہ اپنی اس خواہش کو بجھائیں اور بہتوں نے بت پرستی اسی غرض سے نکالی کہ اپنے خالق کو سامنے دیکھیں ۔

ہمہ اوست والوں نے چاہا کہ موجودات پر نظر ڈال کے سمجھیں کہ خدا سب کچھ ہے اور یوں روح کی پیاس بجھائیں اور منکرانِ خدا نے بھی اسی لئے انکار کیا کہ نہ عقل کی آنکھ سے نہ جسم کی آنکھ سے کسی طرح اُسے نہیں دیکھ سکتے جیسے دیکھنا چاہتے ہیں ۔

اور اہلِ اسلام نے بھی اپنی اس خواہش کے سبب کہ روح کچھ دیکھنا چاہتی ہے مراقبہ اور حضوری قلب. قیامت میں دیدارِ الٰہی کی اُمید اور قبلہ سازی یا فنافی الشیخ اور فنافی الرسول اور بعض نے حُسن پرستی وغیرہ حیلوں سے اس پیاس کو بجھانا چاہا پر کسی کی کچھ تسلی نہیں ہو سکتی ہے ۔

حاصلِ تقریر آنکہ ضرور روح میں یہ اقتضا ہے کہ ہم اپنے خدا کو دیکھیں اور آدمی اپنی تجویز سے اس خواہش کے پورا کرنے میں سب طرح سے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور ذہنی فرضی خدا اپنے خیالات میں جمع کر لیتے ہیں اس لئے ان کا دل ناپاک ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ مُردہ لیکن خدا اس اقتضا سے واقف ہے اور پورا کرنے پر بھی قادر ہے ۔

الہام کی کتابوں سے ظاہر ہے کہ خدا میں باوجود صفاتِ کاملہ مذکورہ کے تشخیص بھی ہے یعنی "اقانیم ثلثہ میں تشخیص ضرور ہے" تاکہ کسی نہ کسی صورت سے بندوں پر ظاہر ہو ۔

اگر کوئی کہے کہ عقلاً حلول منع ہے یعنی اُلوہیت کا انسانیت میں آجانا عقلاً ناجائز ہے ۔ یہ تو سچ ہے مگر قبول منع نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانیت کو اُلوہیت اپنے اندر لے لے اور یہ اس لئے ہے کہ انسانیت میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ غیر متناہی خدا کو اپنے اندر لے ۔ مگر غیر متناہی خدا میں یہ طاقت ہے کہ انسانیت کو جو متناہی ہے قبول کر لے دیکھو

اتھاناسیس کے عقیدہ کا یہ فقرہ کہ "الوہیت انسانیت سے بدل گئی مگر
انسانیت کو الوہیت نے لے لیا۔ پس اس مقام پر حلول کی بات جاننا ہی
ناجائز ہے یہاں حلول نہیں ہے یہاں قبول ہے اور اس قبول میں
یا کسی صورت میں جب خدا ظاہر ہو تو اس کی صفات کاملہ میں ہرگز کچھ
نقصان لازم نہیں آتا مگر اس کی عزت اور بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔

اس بھید کو بھی کما حقہ صرف بائبل ہی نے دکھلایا بائبل نے خدا کی
صفات اور تعریف مذکور کی نفی نہیں کی بلکہ سب سے زیادہ تاکید کے
ساتھ جلال اور قدوسی و غفوری اور ہمہ دانی وغیرہ صفات کے ساتھ
خدا اور تشخص کو بھی خوب دکھلایا ہے مثلاً (پیدائش ۳-۸) خدا آدم پر پھرتا
ہوا ظاہر ہوا۔ (۱۷-۱) جب ابراہیم ننانوے برس کا ہوا تب خداوند
ابراہیم کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے
حضور میں چل اور کامل ہو۔ (۲۶-۲) پھر خداوند نے اضحاق پر ظاہر
ہو کے کہا کہ مصر کو مت جا۔ (۳۲-۳۰) یعقوب نے کہا کہ میں نے خدا
کو رو برو دیکھا اور میری جان بچ رہی۔ (خروج ۳-۶) بوٹے میں سے
خدا بولا کہ میں ابراہیم اضحاق یعقوب کا خدا ہوں۔ (یشوع ۵-۱۵)۔
یشوع سے کہا یہ مکان جہاں تو کھڑا ہے مقدس ہے۔ (قاضی ۱۳-۱۸)
منوحہ سے کہا کہ میرا نام عجیب ہے۔ (۱ سموئیل ۳-۱۰) سموئیل کو ہیکل
میں آکے پکارا۔ (ایوب ۴۲-۵) ایوب کہتا ہے کہ میں نے تیری خبر
اپنے کانوں سے سنی تھی پر اب میری آنکھیں تجھے دیکھتی ہیں۔ (یسعیاہ ۶-۱)
میں یسعیاہ کہتا ہے کہ میں نے خداوند کو ایک بڑی بلندی پر اونچے تخت پر بیٹھے
دیکھا۔ (دانیال ۳-۲۵) نبوکدنضر کہتا ہے کہ چوتھے کی صورت خدا کے

بیٹے کی سی ہے۔ یہ حال تو پرانے عہد نامہ کا ہے لیکن نئے عہد نامہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو آپ کو ابن اللہ اور۔ اللہ بتلاتا ہے اور ساری صفات کاملہ جو الوہیت میں ہیں اپنے اندر صاف دکھلاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا انسان کی صورت میں ہے ؀

خدا کوئی قوت نہیں ہے مثل حرارت۔ یبوست رطوبت برودت وغیرہ کے مگر وہ ایک شخص ہے جس میں تمام صفات کمال موجود ہیں۔ اور وہ مخلوقات سے الگ ہے اور حاضر ناظر اور ہر جگہ اپنے علم اور قدرت سے موجود ہے مگر اپنی ذات پاک سے ممتاز ہے اور وہ ذوالجلال والاکرام ہے اُس کی ستایش اور بزرگی ابد تک ہو یسوع خداوند کے وسیلہ سے آمین - فقط ؀

نواں لکچر

تثلیث فی التوحید

واضح ہو کہ خدا کی ذات کے متعلق "تثلیث فی التوحید" اور توحید فی التثلیث کا ذکر الہامی کتابوں کے درمیان پایا جاتا ہے ◆

بعض لوگ اس سے خفا ہوتے ہیں اور کلام کی تحقیر کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسی بات پر چوکنا تو مناسب ہے تاکہ ہم شرک کی طرف نہ کھنچ جائیں لیکن غور نہ کرنا کہ یہ کیا بات ہے اور کیا مطلب ہے یہ بھی بے وقوفی ہے ◆

اس معاملہ میں دو باتوں پر سوچنا مناسب ہے اوّل آنکہ بائبل نے تثلیث کو کس طرح پیش کیا ہے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو تثلیث کے پیش کئے جانے کے طور پر ذرا بھی نہیں سوچتے۔ "تثلیث" کے نام سے گھبراتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کے بیان میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں اور یہ بہت نامناسب بات ہے کہ کسی کے عقیدہ کو خوب دریافت کئے بغیر اس کو رد کیا جائے لہٰذا پہلے ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ "تثلیث کیونکر اور کس صورت میں ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے اس کے بعد اپنے دلائل بھی ہم پیش کرینگے بائبل میں جو تثلیث کا ذکر ہے اُس کا خلاصہ اگر کوئی دیکھنا چاہے تو اتھناسیس کے عقیدہ کا پہلا حصہ دیکھے

لے جو یہ ہے ؛

عقیدہ جامعہ یہ ہے کہ ہم تثلیث میں واحد خدا کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کریں ؛

نہ اقانیم کو ملائیں اور نہ ماہیت کو تقسیم کریں ؛

کیونکہ باپ ایک اقنوم بیٹا ایک اقنوم اور روح القدس ایک اقنوم ہے مگر باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے جلال برابر عظمت یکساں ؛

جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح القدس ہے۔ باپ غیر مخلوق بیٹا غیر مخلوق اور روح القدس غیر مخلوق ہے باپ غیر محدود بیٹا غیر محدود اور روح القدس غیر محدود ہے ؛

باپ ازلی بیٹا ازلی اور روح القدس ازلی ہے ؛

تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی اسی طرح تین غیر محدود نہیں اور نہ تین غیر مخلوق بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود ہے ؛

یوں ہی باپ قادر مطلق بیٹا قادر مطلق اور روح القدس قادر مطلق۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں بلکہ ایک قادر مطلق ہے ؛

ویسے ہی باپ خدا بیٹا خدا روح القدس خدا ہیں پر بھی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے ؛

اسی طرح باپ خداوند بیٹا خداوند اور روح القدس خداوند تو بھی تین خداوند نہیں بلکہ ایک ہی خداوند ہے ؛

کیونکہ جس طرح مسیحی عقیدہ سے ہم پر فرض ہے کہ ہر ایک اقنوم کو جداگانہ خدا اور خداوند مانیں اسی طرح دین جامع سے ممنوع ہیں کہ تین

ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں ÷

باپ کسی سے مصنوع نہیں نہ مخلوق نہ مولود ہے ÷

بیٹا اکیلے باپ سے ہے مصنوع نہیں نہ مخلوق لیکن مولود ہے ÷

روح القدس باپ اور بیٹے سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود لیکن صادر ہے پس ایک باپ ہے نہ تین باپ ایک بیٹا ہے نہ تین بیٹے ایک روح القدس ہے نہ تین روح القدس ÷

اور اس تثلیث میں ایک دوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا نہیں بلکہ بالکل تینوں اقانیم ازل سے برابر یکساں ہیں اس لئے سب باتوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا تثلیث میں توحید کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کی جائے ÷

یہ پہلا حصہ ہے مقدس اتھاناسیس کے عقیدہ کا جو ہمارے ایمان کا ایک بڑا حصہ ہے اور بائبل کے مختلف مقاموں سے چن کر جمع کیا گیا ہے ÷

اب تین فکر واجب ہیں

پہلا فکر اس اعتقاد پر بلحاظ بائبل اور کلیسیا کے کیا جاتا ہے اور اس فکر میں چار باتیں سوچنا ہے ÷

(۱) یہ مضمون جو اوپر بیان ہوا متفق علیہ ہے سب عیسائیوں کا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو فروعات کی بات ہو تا کہ جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے اور جس کا جی چاہے قبول نہ کرے بلکہ یہ ایک ایسی اصولی بات ہے جس کو سب مانتے ہیں یعنی سب فرقے تثلیث کے قائل ہیں لہذا

مسیحی دین کی بنیاد یہ ہے اور تثلیث کے نام پر سب علیسمہ پاتے ہیں۔

(۲) یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یقیناً بائبل یُوں ہی سکھلاتی ہے یعنی کسی آدمی کے ذہن کا اختراع نہیں ہے جسے ہم ایک چھوٹی سی بات سمجھ کر چھوڑ دیں ✣

(۳) یقیناً بائبل کے جتنے وعدے ہیں اسی عقیدہ پر موقوف ہیں۔ اگر یہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے تو پھر ہم اُن برکات کی اُمید نہیں رکھ سکتے جو بائبل میں مذکور ہیں ✣

(۴) اس عقیدہ کا انکار بائبل سے اور اہل بائبل سے جدائی کا موجب ہے۔ اگر ہم اس کو نہیں مانتے تب بائبل سے بالکل جدائی ہوتی ہے اور اُن سے بھی جن کے وسیلہ سے یہ بائبل دی گئی ہے ✣

دوسرا فکر اس عقیدہ پر بلحاظ نفس عقیدہ کے کیا جاتا ہے

(۱) اس عقیدہ میں تثلیث کا تفرقہ الوہیت کی ذات میں دکھلایا گیا ہے نہ صرف صفات میں۔ یعنی یہ بات نہیں ہے کہ ذات الٰہی کا نام باپ ہے اور بیٹا و روح القدس صفات ہیں ✣

(۲) تین اقنوم بیان ہوئے ہیں ایک ہی ماہیت کے درمیان نہ تین ماہیتیں لیکن تین مشخص ہیں ماہیت واحد کے اور اگرچہ اُن میں تشخص ہوتے تو بھی تین خدا ایک نہ خدا نہیں ہیں ✣

(۳) یہ تینوں شخص مخلوقیت اور مصنوعیت اور تقدم و تاخر اور خوردی اور بزرگی سے الگ ہیں اور غیر محدود ہو کے قدرت و ازلیت و ابدیت میں یکساں ہیں ✦

(۴) بیٹا باپ سے بتلایا گیا ہے مصنوع و مخلوق نہیں مگر مولود ہے اور معنی ولادت کے نہ عرفی ہیں نہ لیکن فہم سے بالاتر ہیں اور تقدم و تاخر سے الگ ہیں ✦

(۵) روح القدس باپ اور بیٹے سے بتلایا گیا ہے مگر مصنوعیت مخلوقیت اور مولودیت کے طور پر نہیں بلکہ اصدار کے طور پر ہے

(۶) اور اس تثلیث کی پرستش میں عین واحد خدا کی پرستش بتلائی گئی ہے اور تین خدا بتلانے والے پر ملامت ہے جیسے منکر تثلیث پر بھی ملامت ہے ✦

پس کیا یہ بیان جو اوپر مذکور ہے کوئی عقل بشری سے اسے سمجھ سکتا ہے ہرگز نہیں تب تو یقیناً کبھی آدمی کی عقل سے نہیں بتلا اگر عقل سے سمجھنا تو عقل میں آسکتا یہ خدا سے ہے جو عقل سے بالا ہے ✦

تیسرا فکر اس عقیدہ کے فہم کی طرف کیا جاتا ہے اس کے معلم کی ہدایت کے لحاظ سے

اس وقت یہ سوال ہے کہ یہ عقیدہ ہمیں سمجھا دو اور یہ سوال نہ اپنی عقل سے پیدا ہوا ہے نہ عقلائے جہان کے ذہن سے نہ کسی پادری

کے علم سے۔ بلکہ اس کی طرف سے پیدا ہوا ہے جس نے یہ عقیدہ سکھلایا ہے۔

اُس کا جواب یہ ہے

کہ یہ مسئلہ ادراکی نہیں ہے بلکہ وجدانی ہے اور ادراک و وجدان میں بہت بڑا فرق ہے۔ ادراک سے مراد وہ تصورات ہیں جو احاطہ عقل میں سما کر ذہن انسان میں منقش ہو سکتے ہیں لیکن یہ تثلیث کا بیان اُس ذات کا بیان ہے جو احاطہ عقل سے نہایت بلند و بالا ہے سو اس کا ادراک ذہن میں طلب کرنا ہی خلاف عقل ہے۔ دیکھو ایوب پیغمبر کیا کہتا ہے (ایوب ۱۱-۷) کیا تو اپنی تلاش سے خدا کا بھید پا سکتا ہے یا قادر مطلق کے کمال کو پہنچ سکتا ہے وہ تو آسمان سا اُونچا ہے تو کیا کر سکتا ہے پاتال سا نیچا ہے تو کیا جان سکتا ہے۔

لیکن وجدان خدا کی طرف سے ایک انکشاف ہے انسان کی روح پر جس سے روح میں تسکین اور یقین اور ایک گونہ علم بھی پیدا ہو جاتا ہے یعنی یہ اعتقاد اسی انکشاف سے روح پر منکشف ہوتا ہے تب روح اسے قبول کرتی ہے اور ذہن سجدہ کرتا ہے یہی سبب ہے کہ سب خادمان دین اس اعتقاد کے طالبان فہم کو دعاؤں کے لئے تاکید کرتے ہیں تاکہ اس حقیقی معلم کی طرف رجوع کریں جو اپنے خاص بندوں پر ظاہر ہونے کی طاقت رکھتا ہے۔

دیکھو جب پطرس نے دوسرے اقنوم کا اقرار کیا کہ تو مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے تو مسیح نے یوں فرمایا (متی ۱۶-۱۷) میرے باپ نے جو

آسمان پر ہے تجھ پر یہ ظاہر کیا۔

رسول مقبول کہتا ہے کہ جو باتیں آنکھ اور کان اور عقل کے احاطہ سے باہر ہیں اُن کو خدا نے اپنی روح کے وسیلہ سے ہم پر ظاہر کیا (۱ قرنتی ۲-۱۰)۔

اور دوسرے مقام پر خداوند نے صاف کہدیا ہے (متی ۱۱-۲۵) کہ "اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری تعریف کرتا ہوں کہ تو نے ان چیزوں کو داناؤں اور عقلمندوں سے چھپایا اور بچوں پر ظاہر کر دیا"۔

داناؤں اور عقلمندوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو عقل پر نازاں ہیں اور مغرور ہیں اور الہام کی بہ نسبت عقل پر زیادہ زور دیتے ہیں یا وہ گویا اپنے ہاتھ سے خزانہ شاہی پر دست اندازی کرنا چاہتے ہیں کہ خدا کے اسرار مخفی میں بھی عقل کا ہاتھ ڈال کر جو چاہیں اُٹھا لیں۔ وہ گداؤں کے طور پر خدا سے عرفان نہیں مانگتے ہیں لیکن گھر کے مالک بننا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے خدا نے بطور سزا کے ان عمیق باتوں کو پوشیدہ رکھا ہے۔

جب مسیح نے یایر اسردار کی بیٹی کو جلایا تو ٹھٹھے بازوں کو باہر نکالا جو عقل کے موافق صرف عادت کے پیرو تھے اور قدرت پر ذرا بھی خیال نہ کرتے تھے چنانچہ اُنہوں نے ٹھٹھا مار کے کہا تھا کہ لڑکی تو مر گئی ہے اُستاد کو تکلیف نہ دے تب مسیح نے اُنہیں باہر نکالا تاکہ الہٰی جلال نہ دیکھیں یہ بے ایمانی کی سزا کے سبب سے تھا۔

اُس نے تو خود فرمایا کہ اپنے موتی سوؤروں کے آگے مت پھینکو۔

پس جس نے اپنے شاگردوں کو شریروں کے سامنے موتی پھینکنے سے منع کیا کیا وہ خود شریروں پر اپنے پاک بھید ظاہر کریگا؟ ہرگز نہیں ۔ ہاں اُس نے بچّوں پر ظاہر کر دیا اب خواہ وہ بچّے عالم تھے یا جاہل مگر وہ خدا کی ہدایت کے محتاج تھے وہ خدا کی مرضی کے تابع اور فروتن تھے نہ خدا کے صلاح کار اور اُس کے کارخانہ کے حصّہ دار ۔

یہ بچّے انعام کے سزاوار تھے کیونکہ اُنہوں نے خدا کی عزّت کی اور اپنے مرتبۂ عبودیت سے آگے نہ بڑھے اور ساتویں لکچر کے موافق ان کی روحیں بچنے کے لئے طیار تھیں اس لئے خدا نے ان پر فضل کیا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ اہل جہل بسیط ہمیشہ ترقی کر جاتے ہیں اور اہل جہل مرکب نادانی میں مرتے جاتے ہیں اور ہمیشہ پست حال لوگ سربلندی حاصل کرتے ہیں لیکن مغرور شکست کھاتے ہیں ۔

پس تیسرے فکر کا حاصل یہ ہے کہ :-

تثلیث فی التوحید ادراک ذہن سے بالکل بلند و بالا ہے لیکن خدا اُسے آدمیوں کی روحوں پر منکشف کرتا ہے اور یہ انکشاف تصوّر عقلی سے زیادہ تر مفید ہے اور خدا آپ فروتنوں کو یہ انکشاف بخشتا ہے اور مغرور اس کے مستحق نہیں ہوتے ہیں جب تک فروتنی اختیار نہ کریں ۔

سارے لکچر کا خُلاصہ

(۱) تثلیث فی التوحید پر رسولوں اور مقدسوں کا سارا سلسلہ متفق ہے اس کا انکار اس سلسلہ سے جُدائی کا باعث ہے ۔

(۲) اس کا انکار دلائل عقلیہ و نقلیہ سے جس طرح پر کہ کیا جائے تو وہ سب دلائل تثلیث پیش شدہ کی کسی نہ کسی مقدمہ کی عدم رعایت کے سبب باطل ٹھہرتے ہیں ؎

(۳) تثلیث فی التوحید اگرچہ عقل سے بلند اور ادراک سے بالا ہے تو بھی اس کا انکشاف روح پر ہوتا ہے اگر یہ بات عقل سے ذہن میں آ سکتی تو بھی اس کی بابت ہرگز کامل تسکین نہ ہو سکتی تھی لیکن وہ انکشاف جو اللہ کی طرف سے بخشا جاتا ہے وہی اس بارہ میں کامل تسلی کا باعث ہو سکتا ہے پس یہ کہنا کہ تثلیث کو ہم نہیں سمجھتے سچ ہے اور یہ کہنا کہ ہم اُسے جانتے اور مانتے ہیں سچ ہے فقط ؎

دسواں لکچر

تثلیث کی توضیح

ان لوگوں کا جو عقل پر زیادہ زور دیتے ہیں، الہام کی نسبت اُن کی ساری تقریروں کا ماحصل حسب ذیل ہے:-

وہ کہتے ہیں کہ تثلیث کا اعتقاد باطل ہے اور خلاف عقل ہے جس کو کوئی عقلمند شخص قبول نہیں کر سکتا ہے کیونکہ توحید نفی تعدد پر دلالت کرتی ہے اور تثلیث اثبات تعدد پر اور یہ دو نقیضیں ہیں ان کا اجتماع شخص واحد میں آن واحد کے درمیان حقیقی طور پر محال ہے ٭

اور اگر کوئی کہے کہ یہ عقیدہ الہامی ہے تو یاد رکھنا چاہیئے کہ الہام عقل کا محکوم ہے۔ نہ عقل کا حاکم کیونکہ ثبوت الہام عقل پر موقوف ہے اور تکلیف شرعی اہل عقل کو ہے پس جو بات عقل کے خلاف ہو وہ بات الہامی نہیں ہو سکتی ہے ٭

ان لوگوں کا یہ اعتراض تین وجہ سے قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا ہے ٭

پہلی وجہ ہم پوچھتے ہیں کہ آیا کل بنی آدم کی عقل اس کو خلاف و باطل بتلاتی ہے یا خاص ایک دو قوم کی عقل پس عقل خاص سے عقل عام پر فتویٰ دینا کونسی عقلمندی ہے ٭

اگرچہ سینکڑوں کی عقل نے اس کو قبول نہیں کیا تو چنداں مضائقہ نہیں کیونکہ

کروڑوں کی عقل نے اسے قبول کیا ہے۔

مثلاً اگرچہ بعض کی عقل نے خدا کے وجود کا انکار کیا ہے تو کروڑوں کی عقل نے خدا کو قبول بھی کیا ہے اب کوئی منکر خدا یہ نہیں کہہ سکتا کہ مطلق عقل خدا کو قبول نہیں کر سکتی ہے اگر ایسا کہے تو یقیناً بیوقوف ہے ہاں وہ کہہ سکتا ہے کہ میری عقل خدا کو قبول نہیں کر سکتی ہے۔

اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ عقل سلیم اس عقیدہ کو نہیں مان سکتی ہے تو لازم ہے کہ ہمیں دکھلائیں کہ عقل سلیم کہاں ہے آیا عام طور پر دنیا کے لوگوں میں پائی جاتی ہے یا کسی خاص قوم میں یا منکروں ہی کو وہ عنایت ہوئی ہے۔

برخلاف اس کے اور قوموں کے بمقابل اہل تثلیث کے درمیان زیادہ تر عقلی روشنی و خوبی پائی جاتی ہے ہم کیونکر کہیں کہ عقل سلیم صرف منکروں میں ہے اور مسیحیوں میں نہیں ہے۔

پس یہ کہنا چاہیے کہ میری عقل میں تثلیث کا بھید نہیں آتا نہ یہ کہ کوئی عقلمند اس کو قبول نہیں کر سکتا ہے۔

دوسری وجہ منکروں نے جو دلیل پیش کی ہے وہ نا کامل دلیل ہے قبولیت کے لائق نہیں ہے کیونکہ اثبات تعدد اور نفی تعدد کا اجتماع اگرچہ عقلاً محال ہے تو یہ مادیات کا قاعدہ ہے اگر ماہیت الٰہی پر بھی یہ قاعدہ جاری ہو جائے تو سب پر اس قسم کے قاعدے جاری ہونگے اس صورت میں مخالفین کو بیحد مشکلات کا سامنا ہوگا۔

مثلاً اس صانع کا وجود جو مادی نہ ہو عقلاً محال ہے یہ بات قیاس میں ہرگز نہیں آسکتی ہے کہ غیر مادی خدا نے اس مادی جہان کو کیونکر پیدا کر دیا نجار کبھی میز نہیں بنا سکتا جب تک لکڑی اور اوزار اس کے پاس

نہ ہوں دیکھئے ہمارا یہ قاعدہ خدا پر ہرگز جاری نہیں ہوسکتا اسی طرح وجود بغیر مکان کے کس طرح خیال میں آسکتا ہے لیکن ہم خدا کو موجود اور مکان سے منزہ مانتے ہیں ✦

اسی طرح کسی موجود کو جو جہات ستہ سے مبرا ہو عقل قبول نہیں کرسکتی ہے حالانکہ خدا جہات ستہ سے پاک ہے اور نہ زمانہ کی قید سے آزاد ہے۔ اسی طرح خدا کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات اگر خدا کی صفتوں کو عین ذات مانو تو موجودات بھی الوہیت کے درجہ میں ہونگے اور اس صورت میں مسئلہ ہمہ اوست بھی درست ہوگا جو عقلاً باطل ہے اور اگر خدا کی صفات غیر ذات ہیں تو ان کا انفکاک جائز ہوگا مثل سب دیگر صفات کے اس صورت میں خدا ناقص ٹھہریگا لہذا مجبوراً یہ بات مانی جاتی ہے کہ اس کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ بین بین کوئی اور درجہ ہے جو قیاس سے باہر ہے ✦

پس یا تو سب عقلی قاعدے اس پر جاری کرو اور خدا کو ہاتھ سے کھو بیٹھو اور یا سب عقلی قاعدوں سے اسے بلند اور بالا جانو اور چون وچرا کو اس میں دخل نہ دو اور ماورای العقل خدا کا اقرار کرو ✦

اب ہم نفیس دلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ✦

تعدد کا نفی یہ لوگ لفظ وحدت سے نکالتے ہیں اگرچہ یہ بات سچ ہے مگر کس حیثیت سے اس پر کچھ غور نہیں کرتے ہیں ✦

اس کا مطلب یہ ہے کہ الوہیت کی ماہیت واحد ہے اس کی ماہیت میں کوئی دوسری ماہیت شریک نہیں ہے وہ ایک ماہیت ہے جو ہمارے موجودات سے جدائی کرتی ہے ✦

اور اثبات تعدد لفظ تثلیث سے نکالتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ
کہ یہ تعدد کس حیثیت سے ہے تثلیث کا تو یہ مطلب ہے کہ وہی ایک
ماہیت ہے جس میں تین شخص ہیں اگرچہ وہ تین شخص ہیں تو بھی انہیں تین
خدا کہنا کفر ہے کیونکہ ماہیت واحد ہے نہ کہ تین ماہیتیں ہیں۔ اگر ہم یوں کہتے
کہ خدا ایک ماہیت ہے اور وہی خدا تین ماہیتیں ہیں تو البتہ تناقض ہو
سکتا تھا۔ یہ تو تناقض ہی نہیں یہاں تو جہت وجہ کی قید ہے یعنی خدا ایک
ماہیت ہے وہی ایک ماہیت تشخیص کے اعتبار سے تین اقنوم یعنی ہے
پس اس تقریر کا مفہوم جہاں تک ادراک میں آسکتا ہے تناقض سے
پاک ہے کیونکہ دو باتیں ہیں جدا جدا جو عقیدہ مذکورہ سے نکلتی ہیں ۔

دوسری بات

الٰہی وحدت ۔ اور الٰہی تثلیث ان دونوں باتوں کے مفہوم عقلاً
ذہن سے بالا ہیں ۔

وحدت الٰہی کا مفہوم ہرگز ذہن میں نہیں آسکتا ہے کیونکہ خدا میں
نہ تو وحدت الوجود ہے اور نہ وحدت عرفی یا حقیقی ہے اور ان دو وحدتوں
کے سوا کوئی تیسری وحدت خیال میں نہیں آسکتی ہے ۔

وحدت الوجود ہمہ اوست کا بیان ہے جو باطل ہے وحدت عرفی کو
جہات اور مکان لازم ہے جس سے خدا کو عقلاً بری اور پاک جانتے ہیں پس
وہ کونسی وحدت ہے جو خدا میں ہے اس لئے یوں کہا جاتا ہے کہ وحدت
غیر مدرک اس میں ہے یعنی ایسی وحدت ہے جو قیاس سے باہر ہے ۔

اسی طرح تثلیث کا مفہوم ذہن سے خارج ہے اگرچہ منوجہ ظاہر ہے لیکن بالکنہ اُس کا سمجھنا مشکل ہے۔

پس دو مدرک مفہوم میں سے ابطال یا اثبات کا نتیجہ تم کس علم کے قاعدے سے نکالتے ہو تمہارے پاس تو ایک بھی معلوم نہیں ہے جس کے وسیلے سے مفہوم کو دریافت کر سکو اس لئے تمہارا خیال باطل ہے۔

اگر یہ کہو کہ اگرچہ ادراک بالکنہ تو نہیں ہے مگر ادراک منوجہ تو ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ادراک من وجہ ہی سے اُوپر دکھلایا گیا ہے کہ ان میں تناقض نہیں ہے وہ دو مضمون ہی جُدا ہیں وحدت ماہیت کو دکھلاتی ہے تثلیث اُسی ماہیت واحد میں تین شخص بتلاتی ہے پھر تناقض کہاں ہے۔

اِن لفظ وحدت اور لفظ تثلیث میں بظاہر تناقض ہے مگر اُن کی مفہوم میں جو جُدا گانہ ہیں تناقض نہیں ہے پس ایسی دلیل ہی پیش کرنا عقلی ہدایت کے خلاف ہے اس لئے تمہاری دلیل باطل ہے ؞

اُن کی دُوسری دلیل

یہ ہے کہ الہام عقل کا محکوم ہے کیونکہ اس کا ثبوت عقل پر موقوف ہے چنانچہ یہ بھی باطل ہے ؞

نکتہ دوم میں دکھلایا گیا ہے کہ عقل بہت باتوں میں لاچار ہے اور اس لئے ہم الہام کے محتاج ہیں اور یہ کہ عقل سے الہام ثابت ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ عقل الہام کا حاکم ہو جائے ہم نے خدا کو عقل سے جانا ہے تو بھی خدا عقل کا محکوم نہیں۔ جو چیز ہم عقل سے پہچانی

جاتی ہیں وہ عقل کی محکوم نہیں ہوا کرتیں بلکہ عقل اُن کی خادم ہوتی ہے دیکھو آنکھ کے وسیلہ سے سورج کو اور اس کی روشنی کو ہم نے دیکھا ہے تو بھی سُورج ہماری آنکھ کا محکوم نہیں ہے مگر آنکھ اس سے فائدہ اُٹھاتی ہے گویا وہ آنکھ کا حاکم ہے ۔

دُوسرا فکر

اُن لوگوں کا ہے جو الہام کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر الہامی کتابوں میں تثلیث کا ذکر ہے تو یہودی اس کے کیوں منکر ہیں لہذا یہ صرف انجیل کا عقیدہ ہے نہ کتب سابقہ کا ۔

یہ فکر بھی باطل ہے جس کا جواب یہ ہے کہ :-

ہمارا کلام صرف آدمیوں کے خیالوں پر نہیں بلکہ خدا کی کتابوں پر ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ اپنی مسلمہ کتاب کے خلاف کبھی دھوکے کے سبب آدمیوں کا خیال کچھ اور ہو جائے ۔

دیکھو عصمت انبیاء کی نسبت بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں حالانکہ کتب الہامیہ اور قرآن بھی اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں پس آدمیوں کے خیال ہی قابل تمسک نہیں ہیں یہودی تو اس مسیح کو بھی نہیں مانتے تو کیا ان کے نہ ماننے سے ہمارے سارے قوی دلائل جو اس مسیح کے ثبوت میں ہیں رد ہو سکتے ہیں ؟

یہودی تو کلام کے روحانی معنی بھی نہیں سمجھتے تو کیا اُن کے جسمانی معنی [illegible] یاد رکھنا چاہئے کہ پہلے مسئلہ معرفت الٰہی کے بارہ [illegible]

ہیں بتدریج ترقی بخشی ہے نہ دفعتاً۔ جیسے سورج درجہ بدرجہ چڑھتا ہے یا طفل ترتیب کے ساتھ تعلیم پاتے ہیں یا درخت بتدریج بڑھتے ہیں ۔

ابراہیم و اسحاق و یعقوب پر خدا نے آپ کو قادرِ مطلق کے نام سے ظاہر کیا اور موسیٰ پر یہوواہ کے نام سے ظاہر ہوا۔ (خروج ۶-۳) "میں نے ابراہیم و اسحاق و یعقوب پر خدائے قادرِ مطلق کے نام سے اپنے تئیں ظاہر کیا" اور یہوواہ کے نام سے اُن پر ظاہر نہ ہوا۔ شیطان کا ذکر عہدِ عتیق میں نہایت مجمل سا ملتا ہے لیکن عہدِ جدید میں اس کا صاف صاف بیان ہے۔ تو کیا اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب نے خدا کا نام یہوواہ نہیں بتلایا اب موسیٰ کا بتلایا ہوا ہم کیونکر مانیں یا پورانے عہدنامہ سے شیطان کا مفصل حال نہیں سنایا اب ہم انجیل کا زیادہ بیان کیوں قبول کریں ۔

دیکھو تو عہدِ عتیق تو آپ ہی کسی اعلیٰ ہدایت کا اُمیدوار رہتا ہے اور آپ کو تکمیل طلب ظاہر کرتا ہے چنانچہ یہ بات بہت سے مقاموں سے ثابت ہے اس وقت عہدِ عتیق کے اول و آخر و وسط میں خدا کی تین خبریں اس بات پر ملاحظہ ہوں ۔

(استثنا ۱۸-۱۵) تم اُس کی طرف کان دھریو۔ اگر اُس کی [illegible] تو ظاہر ہے ۔

(یسعیاہ ۲-۳) خداوند کا کلام یروشلم سے نکلے گا۔

(ملاکی ۴-۲) لیکن تم پر جو میرے نام سے ڈرتے ہو آفتابِ صداقت [illegible] طلوع ہوگا ۔

اور یہ باتیں بالیقین بتدریج اور درست ہیں کہ عہدِ جدید تک [illegible]

تکملہ ہے بغیر عہد جدید کے عہد عتیق ایک بدن ہے جس میں روح نہ ہو۔ عہد عتیق کی سب باتیں عہد جدید میں عمل ہوتی ہیں ایسا کہ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد عتیق یقیناً عہد جدید کا سایہ تھا لیکن یہ بات ان پر ظاہر ہے جو ان کتابوں سے واقف ہیں *

ممکن ہے کہ تصویر میں کوئی دقیقہ قابل تشریح باقی رہ جائے مگر جب اُس تصویر کا عین ظاہر ہوئے تو وہ دقیقہ خود بخود سمجھ میں آجائیگا اور جبکہ تصویر شمسی ہے جس میں غلطی ہی نہیں ہوسکتی ہے تو عین کے تمام دقائق اُس میں برابر ملینگے۔ اب کہ انجیل نے تثلیث کو خوب دکھلایا تو چاہئے کہ انجیل کے سایہ یا تصویر میں تلاش کریں کہ تثلیث کے نشان ہیں یا نہیں وہاں تو کثرت سے یہ اسرار بیان ہوئے ہیں *

(پیدائش ۱-۱ و ۲) میں خداوند خدا کی روح اور کلمہ پر اشارہ ہے۔ (۱-۲۸) لفظ ہم و بنائیں۔ ہرگز تعظیم کے لئے نہیں ہے جو ہندوستان وغیرہ کا محاورہ ہے مگر کثرت فی الوحدت کو دکھلاتا ہے جو تثلیث ہے اور نہ فرشتے مخاطب ہیں *

(۳-۲۲) آدم ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا صاف ظاہر کرتا ہے کہ الوہیت میں اقانیم ہیں جو برابر کا رتبہ رکھتے ہیں۔ (۱۱-۷) ہم اُتریں اور اُن کی بولی میں اختلاف ڈالیں۔ (یسعیاہ ۱-۷) یہوداہ کے گھرانے پر رحم کرونگا اور اُنہیں یہوواہ خدا کے وسیلہ سے نجات دونگا *

دیکھو ایک اقنوم دوسرے اقنوم کے وسیلہ سے نجات کا وعدہ کرتا ہے۔

(پیدائش ۱۹-۲۴) یہوواہ نے دوسرے یہوواہ کی طرف سے سدوم و عمورہ پر آگ برسائی یعنی بیٹے نے باپ کی طرف سے۔ (زبور ۱۱۰-۱)

خدا نے میرے خدا سے کہا کہ میرے دہنے بیٹھو - باپ نے بیٹے کو دہنے بٹھایا ۔

(ذکریاہ ۱۳-۷) ایک شخص کا ذکر ہے جو خدا کا ہمتا ہے۔ وہ مسیح خداوند ہے جس نے خود اس خبر کو اپنی نسبت انجیل میں بتلایا ۔

ان کے سوا بہت سے دقیق اور گہرے مقام ہیں جو بہت غور سے ظاہر ہوتے ہیں ۔

اور خدا کی روح کا ذکر تو جگہ جگہ عہد عتیق میں ہے پس یہودیوں کا انکار کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے ہم تو ثابت کر چکے ہیں کہ یہودی لوگ بہت سے بھیدوں کو یقیناً نہیں جانتے ۔ تو بھی جتنے اُن میں سے غور کرتے ہیں مان جاتے ہیں اور دین عیسائی کا شروع انہیں یہودیوں سے ہوا ہے پس وہ سب یہودی نہیں مانتے مگر وہ نہیں مانتے جو سب کچھ نہیں مانتے اور یقیناً وہ گمراہ ہیں ۔

تیسرا فکر

اُن کا ہے جو تثلیث کو تسلیم کرتے ہیں اور دین کو اپنے ایمان کی بُنیاد سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عقل بیشک عمدہ چیز ہے مگر اپنی حد کے اندر کون اس قاعدہ کو رد کر سکتا ہے ؟

جہاں عقل کا ہاتھ نہیں پہنچتا وہاں عقل ہی کی صلاح سے ہم الہام کی پیروی کرتے ہیں ۔

کیونکہ الہام نے انسان کی اصلاح کے بارہ میں عقل سے زیادہ ہمیں

تعلیم دے سکے اور پیشگوئیوں کے وسیلے سے اپنی بصارت سے بے حد
دکھا سکے اور معرفت الٰہی کے اسرار بکثرت ظاہر کرکے ہمیں اپنا گرویدہ
بنا لیا ہے ✤

پس معرفت ذات الٰہی کے بارہ میں بھی جو کچھ وہ بتلاتا ہے ہم بے
چون وچرا مانتے ہیں اور عقل بھی ہمیں یوں سکھلاتی ہے کہ الہام سے
انحراف کرنا ہلاکت میں جانا ہے فقط ✤

گیارھواں لیکچر

برحق خدا

(۱) ہر ایک کتاب جو مدعی ہدایت ہے اپنی سب ہدایتوں کے ساتھ ایک خدا کو بھی پیش کرتی ہے ۔

اگر وہ کتاب خدا کی طرف سے ہے تو اس میں خدا نے آپ اپنے کو ضرور ظاہر کیا ہوگا ۔

اور اگر وہ کتاب انسان کی عقل سے ہے تو وہ خدا بھی جو اس میں مذکور ہے عقل کا ایجاد ہوگا ۔

(۲) اگرچہ فی الحقیقت سب کا خالق ایک ہی خدا ہے مگر سب کے ذہن میں ایک ہی خدا نہیں بستا ہے ۔

اہل ہمہ اوست کے ذہن میں وحدت الوجود کا خدا بستا ہے ۔

اہل اسلام کے ذہن میں وہ خدا ہے جو لم یلد ولم یولد و بغیر تثلیث اور مقدر خیر و شر ہے ۔ بعض ہنود کے ذہن میں نرگن خدا ہے ۔ اور بعض کے خیال میں ستوگن خدا ہے ۔ عیسائیوں کے مذہب میں "تثلیث فی التوحید کا خدا ہے جس کا ازلی حقیقی بیٹا یسوع مسیح ہے اور صرف خیر کا خدا ہے مقدر شر نہیں ہے ۔

اسی طرح کے فرق لوگوں کے ذہن میں ان خداؤں کی نسبت پائے

جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کا خدا جُدا ہے ❖

(۳) جیسے کہ پیش شدہ کتاب کی سب ہدایات پر اور پیش کنندہ کی حالت پر محقق کو فکر کرنا واجب ہے ایسے ہی بلکہ اس سے زیادہ پیش شدہ خدا کی نسبت فکر کرنا واجب ہے ❖

(۴) آج کے روز بائبل والے خدا کی نسبت فکر کیا جاتا ہے کہ وہ کیسا ہے ابھی اتنی فرصت نہیں ہے کہ ہر پیش شدہ خدا پر فکر کرکے دکھلاؤں کہ وہ کیسے ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ان خداؤں میں بائبل والے خدا کی صفتیں ہرگز نہیں اس لیئے وہ سب خیالی خدا ہیں جو عقل کے ایجاد ہیں۔

(۵) بائبل والا خدا ہم اُس خدا کو کہتے ہیں جس کا ذکر بائبل میں ہے اور جو بائبل میں آدمیوں کو ہدایت کرتا ہے۔ اسی خدا کی نسبت فخر کے ساتھ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہی سب خداؤں میں سچا اور برحق اور پرستش کے لائق خدا ہے اس کو قبول نہ کرنا سچے خدا سے بالکل الگ ہونا ہے ❖

(۶) اس بات کو عقل نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ خدا میں بیحد خوبیاں ہیں۔ لیکن عقل میں ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ ان بیحد خوبیوں کا ذکر جیسا کہ مناسب ہے بیان کرسکے اس لیئے وہ کتاب جو آدمی کے خیال سے نکلی ہے اس خوبی سے ضرور خالی ہوگی اور وہ کتاب جو خدا کی طرف سے ہے اس خوبی سے بھرپور ہوگی ❖

(۷) ہم کو اس بات سے ہرگز فریب نہ کھانا چاہیئے کہ کوئی معلم ہمیں اپنی عقل کی حد تک خدا کی خوبیاں سُنا کے کہے کہ ہماری کتاب میں خدا کو کریم۔ رحیم۔ غفور۔ حلیم۔ حکیم۔ قدوس۔ قادر وغیرہ کہا گیا ہے اس لیئے یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی آدمی خدا کی بعض خوبیاں

کہیں سے سُنکر سُناتے ۔

مگر اس بارہ میں تسلی کا موجب دو باتیں ہونگی :-

(۱) وہ کتاب خوبیوں کا مخزن ہو ایسا کہ ہر عقلمند اور حق جو آدمی کو اس کے دیکھنے سے کامل اطمینان حاصل ہو اور اُس کی ضمیر اس کے من جانب اللہ ہونے پر گواہی دے ۔

(۲) یہ خوبیاں نہ صرف چند الفاظ میں منحصر ہوں بلکہ اس خدا کی اوامر و نواہی اور صداقتوں و اعتبارات گواہی دیں کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے ۔

دفعات بالا پر نظر کرکے

ہم کہتے ہیں کہ صرف بائبل ہی میں خدا سے برحق ظاہر ہوا ہے اور دُنیا کی کسی کتاب میں نہیں ہوا کیونکہ :-

اگر کوئی آدمی عمر بھر خدا کے اوصاف بائبل میں سے نکالے تو عمریں تمام ہوجائینگی مگر خدا کے اوصاف بائبل میں سے ختم نہ ہونگے ۔

اور اس بات پر علاوہ اس گواہی کے جو ہماری ضمیر دیتی ہے ۔ کلیسیا کا الٰہی کتب خانہ جو ۱۶ سو برس میں طیار ہوا ہے دوسرا گواہ ہے ۔

اس وقت بائبل میں سے خدا کے صرف وہی اوصاف بیان کئے جائینگے جو نہایت بدیہی اور واضح ہیں باقی اوصاف ناظرین کی تجسس پر چھوڑے جاتے ہیں ۔

بائبل کے خدا کی پہلی خوبی

بائبل کے اوامر و نواہی ایسے عمدہ اور نیز اعلیٰ ہیں کہ دُنیا کی کوئی کتاب

ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ جہاں کہیں یہ کتاب پہنچی ہے وہاں خیر اور برکت اس کے ہم عنان جاتی ہیں ۔

۲ - خوبی

بائبل کا خدا نہ تو دوزخ کا وحشتناک منظر دکھا کر اور نہ ہی جنت کے حور و غلمان کا لالچ دلا کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے ۔

۳ - خوبی

بائبل کا خدا انسان کو جہاں تک اس کا حق ہے جائز آزادی دیتا ہے اور جہاں تک انسان کی بہتری ہے وہاں تک اس کو مقید رکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ ایمان اور اُمید کے ساتھ جو چاہو سو کرو مگر خدا کا جلال ہر حال میں مدنظر رہے ۔

۴ - خوبی

بائبل کا خدا چاہتا ہے کہ لوگ اس کی اطاعت خوشی سے کریں وہ بھاری بوجھ جبراً کسی کے سر پر نہیں رکھتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ اگر یہ کرو تو تمہاری بہتری ہے اگر نہ کرو تو ہلاکت ہے ۔ اب تمہیں اختیار ہے جس کو چاہو پسند کرو ۔

۵ - خُوبی

بائبل کا خدا انسان کو ہر طرح سے قائل کر کے ایسی ہدایت کرتا ہے کہ اگر آدمی اس کی ہدایت سے نہ سُدھرے تو پھر ناممکن ہے کہ کوئی اور ہدایت دُنیا میں اس کی اصلاح کر سکے۔

۶ - خُوبی

بائبل کا خدا باقی خود ساختہ خداؤں سے زیادہ تمہاری روحوں کا قدردان ہے۔ اس کے نزدیک سارے جہان کی قیمت سے زیادہ ایک روح کی قیمت ہے اس لئے وہ نہیں چاہتا ہے کہ کسی کی روح ہلاک ہو۔

۷ - خُوبی

بائبل کا خدا چاہتا ہے کہ ہم لوگ گناہ سے اور گناہ کے عذاب سے بالکل چھوٹ جائیں یہاں تک کہ گناہ اور اس کا نتیجہ جس میں ہم اب مبتلا ہیں بالکل مفقود ہو جائے اور اس مقصد کے لئے اس نے ذیل کے انتظام بتلائے ہیں:۔

(۱) وہ اپنے کلام کی روشنی میں گناہ کی قباحتیں دکھلا کے گناہ سے نفرت دلاتا ہے۔

(۲) وہ روح کی ایک قوت غیبی عطا کر کے ہماری روحوں کو گناہ کی قید

سے چھڑاتا ہے ◆

(۴) اس کے بعد وہ ایک نئے بدن کا وعدہ کرتا ہے تاکہ خدا کی صورت میں ہو کر گناہ اور اُس کے نتیجہ سے بالکل علیحدہ رہے ◆

۸ - خوبی

جو کوئی اس خدا پر ایمان لاتا ہے تو وہ اُس کا علم اور منجی اور بادشاہ اور قوت بن کر اُس کے دل میں سکونت کرنے لگتا ہے تاکہ اس آدمی کو بچائے اور اُسے ابدی مکانوں کے لائق بنائے اور اُس کے وسیلہ سے اپنا جلال ظاہر کرائے اور پھر اُس آدمی کی باطنی ترقی ہونی شروع ہو جاتی ہے اور دُنیا کہتی ہے کہ یہ شخص کیا سے کیا ہو گیا ◆

۹ - خوبی

بائبل کا خدا آپ کو اپنے بندوں کا باپ بتلاتا ہے - اور تین قسم کی پیدائش عنایت کرتا ہے -

پہلے اس جہان میں نیست سے ہست کرنے کی پیدائش - جو عام ہے - دوسرے الٰہی مزاج میں داخل ہونے کی پیدائش - جو ایمان سے ہے - تیسرے قیامت کے فرزند ہونے کی پیدائش - جو گھر میں جانے کا وقت ہے اور جب اس کا مزاج درجہ بدرجہ ہم میں پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے تب وہ ہمیں فرزند کہتا ہے ◆

اور شیطانی مزاج والے لوگوں کو ابلیس کے فرزند۔ یا دُنیا کے لڑکے یا سانپ کے بچے کہتا ہے ۔

کیونکہ جس کا تخم انسان میں ہے وہ اُس کا فرزند ہے جب ہم الٰہی مزاج میں داخل ہوتے ہیں۔ تب محبت و خیر خواہی۔ پاکیزگی۔ حلم۔ دیانت اور الٰہی زندگی اور الٰہی راستبازی ہم میں آجاتی ہے اور یوں اُس کی صفتیں ہمارے درمیان جلوہ گر ہو کر ظاہر کرتی ہیں کہ وہ ضرور ہمارا باپ ہے اور شیطانی و نفسانی صفتیں آدمی میں آ کر ظاہر کرتی ہیں کہ وہ شیطان کا فرزند ہے ۔

۱۰ - خُوبی

اس کے ثبوت ثالثہ جن کا ذکر نویں و دسویں لکچر میں ہوا صاف صاف بائبل میں اور واقعات میں ہمیں نظر آتے ہیں کہ ضرور باپ نے جو پہلا اقنوم ہے ہمیں پیدا کیا ہے ۔

اور ضرور بیٹے نے جو دُوسرا اقنوم ہے خدا کے ساتھ ہمیں ملایا ہے اور ضرور روح القدس جو تیسرا اقنوم ہے ہمیں خدا سے ملنے کے لئے تیار کر رہی ہے ۔

۱۱ - خوبی

بائبل کا خدا ہمیں اس قدر پیار کرتا ہے کہ اُس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دُنیا میں بھیجا تاکہ ہم گنہگاروں کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں سہے

اور بالآخر اپنی جان دے کر ہمیں گناہوں کی قید سے رستگاری بخشے یہ ایک ایسی محبت ہے جس کی مثل دُنیا پیش نہیں کرسکتی ہے۔

۱۲ - خوبی

بائبل کا خدا نہ صرف زندہ خدا ہے بلکہ وہ عالم الغیب خدا ہے جس نے اپنے مقدس بندوں کی تسکین کی خاطر تمام آئندہ واقعات کو صاف صاف بیان کیا ہے تاکہ کسی واقعہ کے واقع ہونے میں اس کے بندوں کو پریشانی نہ ہو۔ کیا یہ خوبی کسی اور خدا میں بھی ہے؟ پس بائبل کے خدا کو نہ ماننا خودکشی کا مرادف ہے۔

۱۳ - خوبی

بائبل کا خدا اپنے بندوں کی لاچاری کی حالت میں مدد کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل کا خدا وہ خدا ہے جو صادق القول اور وفادار ہے اس کی وفاداری اُن واقعات سے ظاہر ہے جو کلیسیا میں گذرے ہیں

وہ ظاہری صورت پر نظر نہیں کرتا بلکہ غریب کمینوں اور حقیروں کو جو اُس سے ڈرتے ہیں سربلندی بخشتا ہے اور شریروں کو پست کر دیتا ہے۔

۱۴ - خوبی

بائبل کے خدا نے بہت سے وعدے کئے ہیں یعنی اس جہان

ہیں آیندہ پُشتوں کے لئے اور بعض آیندہ جہان کے لئے وہ جو اس جہان کے وعدے تھے اُن میں سے اس قدر پُورے ہوئے ہیں کہ باقی وعدوں کے پُورا ہونے کا کامل یقین ہے کسی خیالی خدا کی جرأت ہی نہیں جو ایسے وعدے کرے جو بائبل کے خدا نے کرکے پُورے کر دکھائے اور یہ بھی ایک کامل دلیل ہے کہ یہ خدا برحق ہے ◆

۱۵ - خوبی

اس خدا نے اپنی قدرت ان معجزوں اور پیشگوئیوں کے وسیلہ سے دکھلائی ہے جس کا ہم سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور ہمیں یقین ہوتا ہے کہ بائبل کا خدا قادرِ مطلق خدا ہے ◆

۱۶ - خوبی

بائبل والے خدا نے اپنی پاکیزگی اور عزت اور بزرگی یہاں تک دکھلائی ہے کہ انسان کے خیال سے باہر ہے یعنی یہ خدا انسان کے خیال سے نکلا ہوا نہیں ہے۔

نہ تو اس کی ذات میں بدی ہے اور نہ اُس میں کوئی نقص ہے جو ہم اپنے لوگوں میں بھی دیکھ سکتا ہے ◆

۱۷ - خوبی

بائبل کے خدا کی ذات پاک صداقت اور محبت کی ایسی [illegible] انسانی

راہیں گناہ آلودہ اور ٹیڑھی ہیں جن پر انسان بسہولیت چل کر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے ؞

۱۸- خوبی

اس خدا نے اپنا معاملہ نہ جوش وغضب سے نہ خودغرضی سے نہ تعصّب سے بلکہ حلم وبُردباری وخیر خواہی سے بے رو رعایت ہر ایک شخص پر اپنی مرضی کو ظاہر کیا ہے اور یہ دلیل ہے کہ وہ برحق خُدا ہے ؞

۱۹- خوبی

یہ بائبل کا خدا نہ صرف محبّت ہی ظاہر کرتا ہے بلکہ وہ اُن لوگوں کو جو اُس کے حکموں پر نہیں چلتے ہیں خوف بھی دلاتا ہے ؞

۲۰- خوبی

اس نے نجات کا حصول صرف مسیح کے کفارہ پر منحصر رکھا ہے۔ اب کہو کہ یہ تثلیث فی التوحید والا خدا جو بائبل کا خدا ہے سچا خدا ہے یا کوئی اور خدا جو اس خدا سے زیادہ خوبی رکھتا ہے اگر کوئی ایسا خدا ہے تو اُسے پیش کرنا چاہیئے ؞

داؤد نے خوب کہا

(۱ سموئیل ۱۷ - ۴۶) "تاکہ سارا جہان جانے کہ اسرائیل میں ایک خدا ہے"

ملکہ سبا نے خوب کہا

(۱ سلاطین ۱۰ - ۹) خداوند تیرا خدا مبارک ہو۔ اور یہ کہ خداوند نے اسرائیلیوں کو سدا پیار کیا

نبوکدنضر نے خوب کہا

کہ "حقیقت میں تیرا خدا الٰہوں کا الٰہ اور بادشاہوں کا خداوند ہے جو بھیدوں کا فاش کرنے والا ہے۔ (۳ - ۲۹) میں حکم کرتا ہوں کہ جو قوم یا گروہ یا اہل لغت سدرک اور میسک اور عبدنجو کے خدا کے حق میں کوئی نالائق سخن کہے تو اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائینگے اور اُن کے گھر گھورے بن جائینگے کیونکہ کوئی دوسرا خدا نہیں جو اس طرح چھڑا سکے (دانیال ۲ - ۴۷)

ایلیاس نبی نے کیا ہی خوب کہا

"اے خداوند ابراہیم و اسحاق و اسرائیل کے خدا آج کے دن معلوم ہو جائے کہ تو اسرائیل کا خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں"
(۱ سلاطین ۱۸ - ۳۶)

نعمان آرامی نے بھی خوب کہا

"دیکھ اب میں نے جانا کہ ساری زمین پر کوئی خدا نہیں مگر اسرائیل میں"۔ (۲-سلاطین ۵-۱۵)۔

حاصل کلام آنکہ یہی بائبل والا خدا جس کی ذات میں تین اقنوم ہیں یہی برحق خدا ہے اور ایسی خوبیاں صرف اسی میں ہیں اسی کا قبول کرنے والا خدا کا جاننے وحدہ ماننے والا ہے اور جس نے اسے نہیں مانا وہ اب تک خدا کو جانتا بھی نہیں ماننا تو دور رہا فقط۔

And this is life eternal, that they might know you the only true God, and Jesus Christ, whom you have sent. (John 17:3)

Dear Brothers and Sisters in Christ,

We greet you in the name of our redeemer Lord Jesus Christ,

The religious situation in Pakistan is known to the world,

May God in Jesus Christ pour out his abundant mercies upon you all.

Yours in Christ,

Evg. Yousaf Masih (founder)
Rev. Michael Joseph...cscentrkr@gmail.com
Evg. Joy Jacob ...adrxdesigner@gmail.com

بارھواں لیکچر

بدی کا چشمہ

یہ بیان اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ ہم سب اپنی بیماری کا باعث دریافت کر سکیں اس سے بچنے کی تدبیر کریں۔ واضح رہے کہ بدی کے بانی مبانی کے دریافت کرنے میں بھی سب لوگ باہم متفق نہیں ہیں بلکہ تین مختلف خیالات میں منقسم ہوتے ہیں۔

پہلا خیال

نیکی اور بدی سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ اس مسئلہ کے آپ آدمیوں کی تقدیر میں لکھ دیا کہ وہ فلاں کام کریں اور فلاں کام نہ کریں۔ پس دنیا میں جو کام ہوتے ہیں سب خدا کے ارادہ سے اور اس کی تجویز سے ہوتے ہیں لہذا انسان مجبور ہے۔

اگر کہو کہ خدا بدی کا خالق نہیں ہے تو آپ کا کوئی اور خالق ہوگا اور خدا ہر چیز کا خالق نہ رہیگا بلکہ بدی اور نیکی کے دو خالق ہونگے حالانکہ ہر چیز کا خالق ایک ہی خدا ہے۔ اس لئے بدی کی نسبت حقیقت تو یہ ہے مگر ادب کے طور پر بدی کو اپنی طرف اور نیکی کو خدا کی طرف

منسوب کرنا چاہئیے ۔

شعر

گنہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ	تو در طریق ادب کوش گو گناہ منست

اِس قول کی تردید

ہم کہتے ہیں کہ نہ تو بدی کا خالق خدا ہے اور نہ اس کا خالق کوئی دوسرا خدا ہو سکتا ہے خدا ایک ہی ہے مگر بدی اس سے ہرگز سرزد نہیں ہو سکتی کیونکہ ۔

(۱) خدا جامع جمیع صفات کمال ہے یعنے ساری ناپاکی سے مبرا ہے اور اس کو بدی سے نفرت ہے نہ وہ بدی آپ میں رکھتا ہے نہ اپنے لوگوں میں دیکھ سکتا ہے ۔

(۲) انسان اپنے اُن افعال کی نسبت جن پر سزا و جزا مرتب ہوتی ہے۔ مجبور نہیں ہے ہاں ان اُمور میں مجبور ہے جن پر سزا و جزا مرتب نہیں ہوتی ہے مثلاً عمر رنگ رُوپ اولاد غریبی امیری وغیرہ ۔

(۳) اگر وہ اپنے افعال میں مجبور ہوتا تو بدی پر نہ تو اس کی تمیز اُسے ملامت کرتی نہ الہام ۔

(۴) انسان دو مخالف کششوں میں پھنسا ہُوا ہے اور بغیر اس کی مرضی کے کوئی کشش اس پر مؤثر نہیں ہو سکتی ہے جس سے اس کے فاعل مختار ہونا ظاہر ہے پس فاعل ہرگز مجبور نہیں ہو سکتا ہے ۔

(۵) خدا کا جلال ۔ اور انسان کی فاعل مختاری سے صاف ظاہر ہے کہ بدی خدا سے نہیں ہے ۔

(۶) بدی اور اُس کی سزا اگر خدا سے ہے تو یہ الٰہی محبت اور انصاف کے برخلاف ہے اور سارے گنہگار مظلوم اور خدا ظالم ٹھہرتا ہے ۔

(۷) یہ عقیدہ نہایت برباد کُن عقیدہ ہے ۔ اور سب بدکاروں کو بدی پر ایسا اُبھارتا ہے کہ گویا وہ بدی میں خدا کی مرضی بجا لاتے ہیں اور تمام نصیحت کنندوں کو بے نیاز کرتا ہے ۔

اُس کی یہ دلیل کہ اگر بدی کا کوئی اَور خالق ہے تو دو خدا ثابت ہونگے دو وجہ سے باطل ہے :-

(۱) نیکی اور بدی کوئی شئے معتدبہ خارج میں موجود نہیں ہیں مگر وہ امر نسبتی ہیں اُمور مناسبہ کو نیکی کہتے ہیں اُمور غیر مناسبہ کو بدی ۔ پس جبکہ وہ اس قسم کی شئے ہیں تو اُن کا مُرتکب خدا کا ثانی کیونکر ہو سکتا ہے؟

(۲) بالفرض اگر وہ خیال میں کوئی شئے معتدبہ ہیں تو اُن کا فاعل نہ اپنی ذاتی قوت سے اُن کا موجد ہے بلکہ اسی قوت عطا کردہ الٰہی کے بیجا استعمال سے اُن کا فاعل ہو جاتا ہے پس وہ کیونکر شریک باری ہو سکتا ہے مثلاً ایک باپ نے اپنے بیٹے کو کچھ روپے دیئے تاکہ وہ اُس کے وسیلہ سے عزت و آرام حاصل کرے مگر لڑکا اُن روپیوں کو زناکاری عیاشی میں صرف کرتا ہے تو اب کیا باپ بدکار ہے یا بیٹا اور قوت زناکاری کس کی ہے بیٹے کی یا باپ کی ظاہر ہے کہ بیٹا بدکار ہے کیونکہ باپ کی عطا کردہ قوت کو بیجا استعمال کرتا ہے ۔

نتیجہ

پس خدا ہرگز بدی کا بانی مبانی نہیں ہے بدی کو اُس کی طرف منسوب کرنا بڑا گناہ ہے

دوسرا خیال

خدا ہرگز بدی کا بانی نہیں ہے اور شیطان کچھ چیز ہے جس کی طرف بدی کو منسوب کرتے ہیں بلکہ آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ آدمی میں شرارت کرنے کی قوت موجود ہے اُس سے بدی پیدا ہوتی ہے۔

اس قول میں کچھ کچھ سچائی بھی ہے اور کچھ کچھ غلطی بھی خدا میں بدی نہیں اور آدمی بدی کرتا ہے یہ سچ ہے مگر شیطان کے وجود کا انکار غلطی ہے چنانچہ تیسرے خیال میں اس کا ذکر آئیگا۔

یہ تو سچ ہے کہ آدمی میں ایسی طاقت موجود ہے کہ اگر وہ چاہے نیکی کرے اور اگر چاہے بدی کرے لیکن انسان اپنی قوت کے استعمال کرنے میں ایک رہبر کا محتاج ہے جس کی ہدایت پر وہ نیکی یا بدی کرتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر آدمی دوسرے کو بدی سکھلاتے تو یہ سلسلہ کس پر منتہی ہوگا آج ہم اسی پر بحث کرینگے۔

خدا تو بدی سے پاک ہے۔ اور آدمی اس بارہ میں دوسرے معلم کا محتاج ہے لیکن دوسرا معلم کون ہے عقل اس کے متعلق کچھ نہیں بتلا سکتی ہے اور نہ یہ کہ آدمی نے شرارت کہاں سے سیکھی۔

بدی کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جو زیادہ ہوشیار اور قوت ور ہو تاکہ انسان کو بدی کی طرف زیادہ ترغیب و تحریص دے سکے اور اس کی قوت بیجا طور پر صرف کرائے ۔

اس بات پر بھی فکر کرنا چاہئے کہ جیسے نیکی اور بدی امور نسبتی ہیں مناسبت اور غیر مناسبت صرف امر عقلی نہیں ہیں کیونکہ عقل ہدایت کا کافی وسیلہ نہیں ہے مگر عقل و الہام دونوں کر کافی وسیلہ ہیں اس لئے مناسبت و غیر مناسبت بھی عقل و الہام سے ثابت ہوگی نہ صرف عقل سے ۔

پس جبکہ نیکی و بدی کا ثبوت عقل و الہام پر موقوف ہے تو بد شرارت بھی عقل و الہام سے ثابت ہونا چاہئے نہ صرف عقل سے ۔

تیسرا خیال

بد شرارت شیطان ہے وہی شریر اول ہے اور وہ ایک زور آور اور ہوشیار روح ہے جو انسان کی جنس سے نہیں ہے اسی کے بہکانے سے انسان نے اپنی قوت کا بیجا استعمال کیا ہے اور اب بھی کرتے ہیں ۔

یہ قول اسی الہام کا ہے جس نے ہماری تمام مشکلات میں ہماری مدد کی ہے اور جس کے کل انسان محتاج ہیں ۔

لیکن بہت لوگ ایسے ہیں جو اس کی بابت شک کرتے ہیں اور اس کا عقلی ثبوت مانگتے ہیں اس لئے چند دلائل اس کی بابت پیش کرنا مناسب ہے ۔

(۱) کیا یہ ناممکن ہے کہ اس عالم مادی کے علاوہ ایسا عالم بھی ہو جو غیر مادی اور غیر مرئی ہو۔ ہرگز نہیں پس جب اس قسم کا عالم غیر ممکن نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم وجود ملائکہ اور ارواح خبیثہ سے انکار کریں۔

(۲) خدا کا ثبوت۔ اور ہماری روحوں کی ہستی کا ثبوت صرف ہمارے اور خدا کے کاموں سے ملتا ہے تو کیا شیطان کی روح کے ثبوت کے لئے شیطانی کام کافی نہ ہوں گے۔

(۳) انسان کے اندر دو مختلف ترغیبوں کی آواز سنائی دیتی ہے ایک تو یہ کہ تنگ رستہ پر چلو دوسری یہ کہ کشادہ رستہ پر چلو پس گران بحکمت وارزاں بعلت پر سوچنے سے ہم کو خدا اور شیطان صاف دکھائی دیتے ہیں۔

(۴) خدا کی روح جن میں آتی ہے ان کی حرکات اور سکنات سے ان کے مختلف زبانیں وغیرہ بولنے سے اور ان کی عجیب قوت و دلیری و پاکیزگی کے حصول سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان میں الٰہی روح ہے پس جب الٰہی روح کا دخول ممکن ہے تو کیا ناپاک روح کا داخل ہونا ناممکن ہے؟

(۵) پاک اور ناپاک روحوں کا دخول وخروج تو صاف ظاہر ہے مگر ہماری انانیت دونوں سے صاف جدا معلوم ہوتی ہے یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ غیر روح ہماری روحوں میں اثر انداز ہے۔

(۶) انسانی تجربہ اس پر گواہ ہے کہ لوگ اپنی بدخواہشوں کے ایسے مغلوب ہیں کہ باوجود سخت کوشش کرنے کے بھی اس سے نہیں نکل سکتے ہیں تو کیا انسان اپنی طاقت سے آپ ہی مغلوب ہیں اور اپنی قوت کو

اپنے اختیار میں نہیں رکھ سکتے پس صاف ظاہر ہے کہ ضرور کوئی دوسری خارجی قوت ہے جو اُن کی قوت سے زیادہ ہے اور اُن کو مغلوب رکھتی ہے اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری خارجی قوت اُنہیں مجبور بھی سکتی ہے ✦

(۷) جب میں نیکی کرنا چاہتا ہوں تو بدی مجھ سے سرزد ہوتی ہے حالانکہ میں تو ہرگز بدی کا خواہاں نہیں ہوں پس ضرور کوئی خارجی تاثیر میری روح کی بربادی کے درپے ہے ✦

(۸) اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہماری جسمانی اور روحانی نیک اور بدخواہشیں بغیر مذکورہ بالا خارجی تاثیرات کے ہرگز بروئے کار نہیں آ سکتے ہیں ✦

پس یہ ساری باتیں انسان کے اندرونی حالت پر غور کرنے سے پاک روح اور بدروح وناپاک روح کے وجود پر دلالت کرتی ہیں ✦

پس اگر شیطان کوئی زورآور روح نہیں ہے تو وہ کون ہے جس نے انسانی روح کو اس بُری طرح سے مغلوب کر رکھا ہے اور طرح طرح کے مکروفریب سے خدا کے وصال سے دُور رکھا ہے ✦

پس یہ مقدمات ظاہر کرتے ہیں کہ ضرور کوئی روح جو انسان کی روح سے زورآور ہے اور خدا کی مخالف ہے آدمیوں کو ورغلا رہی ہے ✦

اس کے بعد جب ہم الہام پر نظر کرتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ شیطان خاص خاص موقعوں پر ظاہر ہوا ہے۔ اوّل آدم پر جو خدا کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس دُنیا میں پیدا ہوا اور اُس کی شان وشوکت اس بدروح کے مکروفریب سے برباد ہوئی ✦

دوسرے مسیح کے وقت میں جو آدمیوں کو نجات دینے کے لیئے آیا تھا

شیطان کی عجب مخالفت نظر آتی ہے ۔

اُس کے کام کے شروع ہی میں شیطان کا ایسا بڑا حملہ اُس پر ہُوا لیکن اُس سے فتح نہ پائی ۔

پھر مسیح کے کام کے آخر میں اس کی انتہائی مخالفت ظاہر ہوئی لیکن مسیح نے اس کے سر کو کچل کر اس پر فتح پائی ۔

حالانکہ اُس وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ شیطان بڑی طاقت والا ہے اور بڑا امکان ہے اور اُس کے پاس بہت فوج ہے جو مسیح کی مخالفت پر ملک یہودیہ میں ظاہر ہوئی ۔

اس کے سوا خدا کی بادشاہت جہاں جاتی ہے وہاں شیطان کا بڑا زور نظر آتا ہے کہ آدمی کچھ ہو جائے دُنیا پروا نہیں کرتی مگر عیسائی ہو جائے تو اس پر چاروں طرف سے شیطان کے شاگردوں کا ہجوم اور بلوہ ہوتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کا دین خدا کا دین ہے اور اس کی مخالف کوئی روح ہے جو انسانوں کو ابھارتی ہے اور وہی شیطان ہے ۔

حاصل کلام

شریر اوّل اور مبدا شرارت شیطان ہے لیکن اس کی شرارت آدمی کی مرضی سے آدمی میں تاثیر کرتی ہے ۔

آدمی کو چاہئے کہ اپنی حفاظت کرے اور اس سے بچنے کے لئے خدا سے پناہ مانگے ۔

سوال

شیطان کس کی طاقت سے شرارت کرتا ہے؟

جواب

شیطان بھی ایک مخلوق ہے اور وہ بھی مجبور نہیں بلکہ فاعل مختار پیدا کیا گیا تھا اُس نے اپنے اختیار کو بیجا استعمال کیا اور مبداءِ شرارت ہو کر ابدی سزا کا سزاوار ہُوا اور اپنی نجات سے مطلق مایوس ہُوا کیونکہ خدا کی درگاہ سے اُس پر قطعی سزا کا فتویٰ لگ چکا ہے اس لئے وہ نیکی کا دُشمن اور بدی کا دوست ہو گیا ہے اب اس کا مزہ اسی میں ہے کہ بہت سی روحوں کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جانے کے بمصداق مرگ انبوہ جشنے دارد۔ اس نے قسم قسم کے جال دُنیا میں پھیلائے ہیں اور آدمیوں کو اپنی بدی پر نیکی کا ملمع لگا کے دکھاتا ہے اور یوں پھنسا کے برباد کرتا ہے۔

جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ زیادہ تر خطرہ میں ہیں کیونکہ ان کے دل میں اس کا خوف نہیں رہتا ہے اور نہ وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں لہذا اس قسم کے لوگ نہایت آسانی کے ساتھ اس کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔

اور وہ خدا کو صفات متضادہ والا جان کر اپنی بد خواہشوں کو بھی صفات متضادہ کا مظہر قرار دیا کرتے ہیں اور پھر گناہ کو گناہ نہیں جانتے اور بدی میں خوب کھیلتے ہیں۔

پس بھائیو یقین جانو کہ تمہاری جانوں کا دشمن ایک شخص ہے جس
کا نام شیطان ہے اور وہ بہت ہی زور آور روح ہے اور بہتوں
کو اُس نے اپنا مغلوب کیا ہے اُس سے بچنے کی اور کوئی راہ نہیں ہے
مگر ایک ہی راہ ہے اور وہ صرف مسیح ہے۔ جو لوگ مسیح کے پاس
شیطان سے پناہ لینے کو آتے ہیں وہ بچائے جاتے ہیں فقط ۔

تیرھواں لیکچر

بدی کیا ہے

گذشتہ لیکچر میں اس امر کا ذکر ہُوا کہ اُمور نامناسب بدی ہیں اور یہ کہ مناسبت و غیر مناسبت کے دریافت کرنے کے لئے عقل کافی نہیں ہے لیکن عقل و الہام ہر دو سے مناسبت و غیر مناسبت خوب معلوم ہو سکتی ہے۔

گناہ یا بدی کی تعریف یوحنا رسول نے یوں کی ہے کہ "گناہ شرع کی مخالفت ہے" ۱ یوحنا ۳-۴۔

شرع کا لفظ شامل ہے شرع مکتوب فی القلوب پر و شرع مکتوب فی الکتاب پر کیونکہ خلاصہ و تفصیل دونوں ایک بات ہے۔

شرع وہ راہ ہے جس کو خدا نے آدمی کے لئے تجویز کی ہے اسی پر ضمیر دلالت کرتی ہے اور انجیل اسی پر آدمیوں کو چلانا چاہتی ہے پس آدمی کے لئے جو راہ خدا کی طرف سے مقرر ہے اس سے انحراف گناہ یا بدی ہے۔

شیطان نے جب مسیح کی انسانیت کا امتحان کیا تو یہی چاہتا تھا کہ اس کو انسانیت کی راہوں سے ہٹا دے۔ انسانیت کی راہوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا بھروسہ کامل خدا پر ہو نہ ذرائع پر لیکن شیطان نے

اس کے سامنے پتھر رکھکر کہا کہ ان کو روٹی بنا اور کیوں بھوکا رہتا ہے۔
مسیح نے جواب دیا کہ انسان خدا کے حکم سے جیتا ہے نہ روٹی سے ۔
شیطان نے کہا کہ کنگورے سے نیچے گر کر خدا کو آزما۔ مسیح نے کہا میں بے ایمان نہیں ہوں کہ خدا کو آزماؤں ۔ اور خدا کا وعدۂ حفاظت انسان کے راہ راست پر چلنے میں ہے نہ اُس کی بے راہی میں انسان کی راہ یہ ہے کہ سیڑھی سے اُترے نہ یہ کہ کنگوروں پر سے کُودتا پھرے ۔
شیطان نے کہا کہ مجھے سجدہ کر اور سب دُنیا کی شان شوکت لے۔ مسیح نے کہا کہ انسان کا فرض یہ ہے کہ خدا کو سجدہ کرے نہ کسی مخلوق کو اس لئے دُور ہو اے ملعون ۔
پس جب آدمی اپنی راہ کو جو خدا کی طرف سے اس کے لئے مقرر ہے چھوڑتا ہے تو یہی بدی ہے ۔
آدم کے لئے خدا نے ایک راہ مقرر کی تھی کہ ہر درخت سے کھانا مگر اس درخت سے نہ کھانا اُس نے اپنی راہ کو چھوڑا تب پہلا گنہگار ہُوا۔ کوئی کہتا ہے کہ مرضی الہٰی کے خلاف کام کرنا گناہ ہے ۔ مگر جو راہیں خدا نے ہمارے لئے مقرر کی ہیں اُنہیں کا انحراف خدا کی مرضی کا بھی انحراف ہے ۔
جو راہیں خدا نے آدمی کے لئے مجملاً اس کی ضمیر میں اور مفصلاً بائبل میں دکھلائی ہیں اُن پر آدمی چل کر حقوق اللہ اور حقوق عباد کو پُورا کرتا ہے تو سلامتی کی راہ پر اُس کے قدم رہتے ہیں اور وہ اُن راہوں سے خدا کے نزدیک پہنچ سکتا ہے ۔
لیکن جب ہم خدا کے حق برباد کرتے ہیں اور ہمسایوں کے حق میں خیانت

کرتے ہیں تو بدی کرتے ہیں کیونکہ اپنی راہوں کو چھوڑ دینا ہی بدی ہے ۔

نتیجہ

خدا کی شرع اور انسان کی ضمیر دونوں ہمیشہ برابر ہیں اور انسان کی بنائی ہوئی شرع ہرگز ضمیر کی تحریکات کے موافق نہیں ہوتی ہے ۔ لہذا جو کوئی گناہ سے بچنا چاہتا ہے تو چاہئے کہ اُس شرع کے انحراف سے بچے جو ضمیر کی موافق ہوتی ہے نہ صرف اُس شرع کے انحراف سے جسے ضمیر ہی جھٹلاتی ہے ۔

خدا کا کلام بتلاتا ہے اور انسان بالبداہت دیکھتا ہے کہ کُل انسان گناہ میں پھنسے ہوئے ہیں کوئی اس کاہل کی کوٹھڑی یعنے دُنیا میں سوا یسوع مسیح کے بے گناہ نظر نہیں آتا کچھ نہ کچھ داغ سب کو لگا ہوا ہے اکتسابی اور موروثی گناہ میں سب پھنسے ہوئے ہیں سب نے اپنی راہوں کو چھوڑا ہے اور سب نے خدا کی شریعت کو توڑا ہے ۔

خدا کے کلام میں گناہ کو کوڑھ سے تشبیہہ دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوڑھ کا مرض اندر سے شروع ہوتا ہے گوشت اور ہڈی سے پھر جسم پر نمایاں ہوتا ہے اسی طرح گناہ دل سے جو مبدا خیالات ہے اور پختہ ہو کر فعل آمد قول میں ظاہر ہوتا ہے ۔

کوڑھ سے آدمی کے اعضا گرنے شروع ہوتے ہیں اسی طرح بدکاروں کے ضمیر باطنی طاقتیں روز بروز فنا ہوتی جاتی ہیں ۔

کوڑھ لاعلاج مرض ہے ۔ اسی طرح گناہ کا علاج بشر سے ناممکن ہے

کوڑھ ایک متعدی بیماری ہے گناہ بھی سخت متعدی ہے فوراً ایک کو دوسرے سے لگتا ہے ۔

کوڑھ ایسی نفرتی بیماری ہے کہ لوگ ایسے بیماروں کو نکال دیتے ہیں مگر گناہ اس سے زیادہ تر نفرتی چیز ہے کہ خدا کو اور خدا کے بندوں کو اس سے سخت نفرت ہوتی ہے ۔

کوڑھ نسل میں جاری ہو جاتا ہے جیسے گناہ آج تک آدم کی اولاد میں چلا آتا ہے ۔

پولوس رسول گناہ کو موت کا ڈنگ یا نیش بتلاتا ہے جیسے سانپ یا بچھو کا ڈنگ ہوتا ہے ویسے ہی موت کا ڈنگ گناہ ہے جس نے گناہ کیا وہ جانے کہ موت نے مجھے ڈنگ مارا ہے اگر میں جلدی علاج نہ کروں تو مر جاؤں گا ۔

لوگ بڑے مزے کے ساتھ گناہ پر گناہ کیا کرتے ہیں کیونکہ گناہ میں جسمانی لذت ملتی ہے اور نہ صرف جاہل بزاری لوگ یہ کام کرتے ہیں بلکہ بعض ایسے لوگ بھی خوب گناہ کرتے ہیں جو آپ کو شریعت کا معلم یا صاحب علم اور ممتاز شخص جانتے ہیں ۔ رشوت لیتے ہیں ۔ بد منصوبے باندھتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں ۔ بد نظری کرتے ہیں ناچ رنگ میں شریک ہوتے ہیں اور شراب پیتے ہیں ۔ پرائے کا حق کھا جاتے ہیں وغیرہ ۔

اس دُنیا کو گناہ اور بدکاروں نے پوری دوزخ کی ہم شکل بنا دیا ہے ۔ انہیں کچھ پرواہ نہیں کہ خدا کی حق تلفی ہوتی ہے یا بندوں کی لیکن وہ اپنی نفس پرستی میں مگن رہتے ہیں اپنے انجام نہیں سوچتے ہیں اور دُنیا میں مشغول رہتے ہیں ۔

دوسرا حصّہ

گناہ کے نتائج

(۱) گناہ خدا کی غیرت کو اُبھارتا ہے اور اُس کے غضب کو برانگیختہ کرتا ہے ۔

چنانچہ ازمنہ سابقہ کی تواریخ اس پر گواہ ہیں کہ کس قدر قومیں اور سلطنتیں اور خاندان اسی گناہ کے سبب برباد ہوگئے ۔

اور اس زمانہ میں ہم بھی دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں کیا سے کیا ہوجاتا ہے جہاں بدی ہے وہاں بربادی کھڑی ہے ہمارے دیکھتے دیکھتے کتنے خاندان کیا سے کیا ہوگئے۔ دیکھو بہادر شاہ کے قلعہ میں کیا ہوتا تھا اور اب کیا ہو رہا ہے۔ لکھنؤ کے بادشاہ کے گھر میں کیا ہوتا تھا اور اب کیا حال ہے ؟ اُن شہروں میں اور اُن گھروں میں جہاں بدی ہوتی ہے خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور وہ اپنی مُراد کو نہیں پہنچتے بلکہ جلدی برباد ہوجاتے ہیں بلکہ اُن کی اولاد پر بھی اُن کے باپ دادوں کی بدیوں کی سزا نازل ہوتی ہے

(۲) خدا کی آسمانی برکات کا نزول گناہ کے سبب سے بند ہوجاتا ہے چنانچہ یرمیاہ نبی کہتا ہے کہ تمہاری بدکاریوں نے یہ چیزیں تم سے پھرائیں ہاں تمہاری خطاکاریوں نے ان اچھی چیزوں کو تم سے باز رکھا (یرمیاہ ۵:۲۵) اور بعض اوقات برکات بالکل منقطع ہوجاتی ہیں اور قحط سالی مری اور تنگی اور بے برکتی کا ظہور ہوتا ہے اور یُوں خدا تعالےٰ آدمیوں کو اُن کے گناہوں پر متنبہ کرتا ہے ۔

یہ تو عام گناہوں کی تاثیر کا ذکر ہے جو لوگوں پہ ہوتی ہے۔ مگر ان گناہوں کے سبب سے خاص لوگوں کی تمام خرابیاں اور دل کی سختیاں ظاہر ہوتی ہیں جس کی وجہ سے برکات رُک جاتی ہیں اور آقا کی نظرِ رحمت ماتحتوں کی شرارت کے سبب سے پھر جاتی ہے ۔

(۳) ایک اور نتیجہ گناہوں کا جس کو تھوڑی سی فکر کرنے کے بعد جلد دریافت کر سکتے ہیں دل کی بے چینی ہے۔ بدکار آدمی کیسا ہی بیوقوف اور شرارت میں مگن کیوں نہ رہتا ہو تب بھی اُس کے گناہ اُس کی ضمیر کو کاٹا کرتے ہیں۔ شاید وہ طرح طرح کی تاویلیں کر کے آپ کو معذور ثابت کرے لیکن یہ موت کا نیش اُس کی ضمیر میں [illegible] پیدا کر دیتا ہے جب وہ اپنی بدمستی اور شرارت سے ذرا بھی باز آتا ہے فوراً گناہ اُس کے دل پر ڈنک مارتا ہے اور اس کو موت کے گھاٹ اُتار دیتا ہے ۔

(۴) الہام جو عقل کا معلم اور اُستاد ہے وہ زیادہ تر گناہ کے اور بہت افسوسناک نتیجے دکھاتا ہے اور جب کہ ہمیں اس کے دو نتیجے جانکاہ نتیجوں کا علم ہے تو ہم الہام سے بتلائے ہوئے بڑے نتائج کا کیونکر یقین نہ کریں ۔

گناہ کا پہلا نتیجہ جو الہام بتلاتا ہے یہ ہے کہ ساری مصیبتیں اور بیماریاں اور تکلیفات بلکہ موت بھی اسی گناہ کے سبب سے دنیا میں آئی ہے اگر گناہ نہ ہوتا تو ہم ان مصیبتوں کا منہ نہ دیکھتے اگر کوئی اپنی ضمیر سے پوچھے کہ خدا جو ساری خوبیوں کا سرچشمہ ہے اور جس کی محبت اور اُلفت اس بدحالت میں بھی ہم پر خوب روشن ہے تو اُس نے یہ دنیاوی مصائب اور موت ہم پر کیوں نازل کی ہے تو اس کا سبب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم سے وہ ناراض ہے اور ناراضگی کا کوئی اور سبب نہیں

ہو سکتا ہے بجز گناہ کے جس کی وجہ سے بطور سزا کے ہم پر یہ آفتیں نازل ہوتی ہیں +

(۵) الہام ہمیں یہ بھی بتلاتا ہے کہ محدود گناہ کا عذاب غیر محدود ہے اور اس کا سبب یہ بتلاتا ہے کہ گناہ خدا کے سامنے مثل قرضہ کے ہے جب تک کوڑی کوڑی ادا نہ کرو گے سزا میں مبتلا رہو گے لیکن اس کا ادا کرنا انسان کی طاقت سے خارج ہے اس لئے منصف صادق کی کامل عدالت ابد تک سزا میں رکھیگی پس سزا کی ابدیت گناہ ہماری وجہ سے ہے کہ ہم قرضہ ادا نہیں کر سکتے ہیں پس اس ابدی عذاب سے چھوٹ جانے کی اُمید تو ہے مگر ہم سے ممکن نہیں اگر زمین و آسمان میں کوئی اور شفیق رحیم غنی سخی ہو اور ہمارا قرضہ ادا کر کے مہربانی سے ہمیں چھڑائے تو ہم چھوٹ سکتے ہیں +

(۶) الہام ہمیں یہ بھی بتلاتا ہے کہ اسی زندگی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے کیونکہ سخت عدالت کے سامنے جانے سے پہلے ہم اپنے مدعی کے ساتھ صلح کر سکتے ہیں لیکن جب عدالت میں حاضر ہو جائیں تب ممکن نہیں کیونکہ عدالت میں رحم اور سفارش اور کسی کی مدد کارگر نہیں ہو سکتی ہے اس عدالت سے پہلے ہی صلح کر کے اپنا نام مجرموں کی فہرست میں سے کٹوا ڈالنا چاہیئے کہ ہمارا حساب ہی نہ لیا جائے جب حساب لیا گیا اور حکم سزا کا جاری ہو گیا تب اُمید خلاصی کی نہیں رہی +

پس اے بھائیو اگرچہ گناہ نہایت بُرا ہے اور اس کا عذاب بہت ہی سخت ہے تو بھی اس سے مخلصی کی اُمید اس زندگی میں ہے اس وقت کو غنیمت جانو اور ذرا سوچو جب تک کہ خدا مل سکتا ہے ملنے کی کوشش کرو

ٹٹولو اور ڈھونڈھو اور سب باتوں کو پرکھو دیکھو کوئی بچانے والا تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں ؎

نصیحت

بھائیو عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ - یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو بھی پہچانا اگرچہ اس مثل کے معنے لوگوں نے طرح طرح بتائے ہیں لیکن اس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ پہلے اپنی حالت پر سوچے کہ میں کون ہوں اور کس حالت میں ہوں جب وہ اپنی حالت پر کچھ واقف ہو جاتا ہے تو اس میں استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنے رب کو بھی پہچانے اور یہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ جب ہم اپنی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اصل تو نہایت خوب ہے کیونکہ ہمارے درمیان ایک روح ہے جو عالم بالا کا ایک جوہر ہے مگر نہایت تباہ حالی میں ہمیں گناہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اور بدخواہشوں کے ہم مغلوب ہو گئے ہیں اور گناہ کا عذاب ہمیں گھیرے ہوئے ہے جس سے خلاصی پانا ہماری طاقت سے ناممکن ہے تب ہماری نظر خدا کی طرف اٹھتی ہے اور ہمارے کان اُس کی آواز کو سنتے ہیں جب داؤد پیغمبر پر اُس کے گناہ ظاہر ہوئے تو وہ یوں بولا "بے شمار برائیوں نے مجھے گھیر لیا میرے گناہوں نے مجھے پکڑا ایسا کہ میں آنکھ اُوپر نہیں کر سکتا وہ میرے سر کے بالوں سے شمار میں زیادہ ہیں سو میرے دل نے مجھے چھوڑ دیا" (زبور ۴۰ - ۱۲) ؎

بھائیو جب تک ہم گناہ کو ایک ہلکی بات جانتے ہیں اور اُس سے گھبراتے

نہیں تو ناممکن ہے کہ ہم خدا کو جانیں اور سچائی کو پہچانیں اور مخلصی کے مستحق ہوں۔ یہ پہلی منزل ہے جو خدا شناس لوگوں میں پیدا ہوتی ہے کہ وہ آپ کو گنہگار جانتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ یہ خدا کے فضل کا بڑا نشان ہے کہ آدمی آپ کو سخت گناہ کی حالت میں پہچان لے اُس وقت خدا کا ہاتھ اُس کی امداد کے لئے آگے بڑھیگا ۔

یہی سبب ہے کہ بہت سے لوگ حق شناسی کے مدعی ہو کر بھی حق کو نہیں پہچانتے کیونکہ وہ اپنی حالت سے ناواقف ہیں جب ہم اپنی بیماری سے ناواقف ہیں تو اُس کے مناسب علاج کب کر سکتے ہیں لیکن جب بیماری کی تشخیص ہو جائے کہ کیا ہے اور کیسی ہے تب ہم مناسب دوا تجویز کر کے یقین کر سکتے ہیں کہ اس سے فائدہ ہوگا اور اگر فائدہ نہ ہو تب دوسری دوا تلاش کرینگے جس دوا سے فائدہ ہوگا ہم اُس کو اپنی بیماری کے مناسب جانیں گے ۔

پس جبکہ یہی گناہ کی بیماری کل بنی آدم میں ہے جو مذہب اس کا علاج کر سکے وہی خدا کا سچا دین ہے اُسی کو جلدی قبول کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ ہلاک ہو جاؤ فقط ۔

چودھواں لیکچر

طریقِ نجات ازروئے عقل و بائبل

اگرچہ ازروئے عقل ریاضت و نفس کشی اور اعمالِ حسنہ نجات کے وسائل سمجھے گئے ہیں اور کئی قسم کے خیالات اس مقصد کے حصول کے لئے ایجاد ہوئے ہیں مگر وہ سب ایک سرسری نظر سے ناقابلِ اعتبار ثابت ہوتے ہیں ۔

عقل صرف اتنا کہہ سکتی ہے کہ خدا اپنے فضل سے اگر کوئی صورت ہماری نجات کے لئے نکالے تو ہم بچ سکتے ہیں ورنہ انسانی تدبیر انسان کو نجات نہیں دلا سکتی ہے ۔

اس بارہ میں عقلی تدبیر کا یہی لب لباب ہے جو بیان ہوا مگر اس سے اگرچہ روح کی نظر ایک نادیدنی غیر معلوم سچائی پر تو قائم ہو جاتی ہے لیکن تسکین نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ باطنی آنکھ کے سامنے سے اندھیرا نہیں ہٹ سکتا جب تک کہ اس کے فضل خاص کا کچھ علم حاصل نہ کیا جائے ۔

بائبل نجات کی راہ کیا دکھاتی ہے

بائبل کے دو حصے ہیں ۔ عہد عتیق و عہد جدید عیسائی ہر دو حصوں پر

برابر ایمان رکھتے ہیں مگر یہودی صرف عہد عتیق کو مانتے ہیں ۔

عہد عتیق میں نجات کی راہ یُوں مذکور ہے کہ مسیح جو ایک عجیب قدرت کا شخص ہے اور زمانہ آیندہ میں ظاہر ہونے والا ہے وہ اپنی قربانی کے وسیلے سے سب قوموں کے لئے نجات کی راہ طیار کریگا اور نیز یہ بھی بتلا دیا ہے کہ یہ شخص فلاں قوم سے فلاں زمانہ میں فلاں بستی کے اندر ان ان صفتوں کے ساتھ ظاہر ہوگا ۔

عہد عتیق کا یہی لب لُباب ہے اور اسی آیندہ شخص پہ سب اگلے بزرگوں کی نظر لگی ہوئی معلوم ہوتی ہے ۔

شروع میں آدم اور حوا کی نظر بھی اسی شخص پہ لگائی گئی تھی کہ ”وہ تیرے سر کو کچلیگی اور تُو اس کی ایڑی کو کاٹیگا“ (پیدائش ۳ - ۱۵) - یعنی عورت کی نسل سے ایک شخص ظاہر ہوگا جو مرد کے نطفہ سے نہ ہوگا وہی شیطان کا سر کچلیگا اور شیطان اس کی سخت مخالفت کریگا ۔ پھر پیدائش ۲۲ باب ۱۵ میں ہے کہ ”تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائینگی“ یعنی ابراہیمؑ کے خاندان سے وہ شخص ظاہر ہوگا اور تمام جہان کی قومیں اس سے برکت پائینگی اور یہ لعنت جو تمام جہان پہ پڑی ہے اُس شخص کے سبب سے دفع ہوگی اور وہ شخص اپنی قربانی کے وسیلہ سے یہ برکت جاری کریگا کیونکہ اسحاق کی قربانی کی تمثیل کی تشریح میں یہ کہا جاتا ہے اور پیدائش ۲۱ باب ۱۲ میں ہے کہ ”تیری نسل اسحاقؑ سے کہلائیگی“ نہ اسمٰعیل سے پس وہ شخص موعود اسحاقؑ سے نکلیگا نیز پیدائش ۴۹ باب ۱۰ میں ہے کہ ”یہودا سے ریاست کا عصا جُدا نہ ہوگا اور نہ حکومت اُس کے پاؤں سے جاتی رہیگی جب تک کہ سیلا نہ آوے اور قومیں اُس کے پاس اکٹھی ہونگی یعنی وہ سب قوموں کی برکت

دینے والا ہے اور اب تک پردۂ غیب میں ہے۔ یہودا کے فرقہ سے
نکلیگا۔ گنتی ۲۴ باب ۱۵ سے ۱۷ میں ہے کہ" پھر اُس نے اپنی مثل کہنی
شروع کی اور بولا بعور کا بیٹا بلعام کہتا ہے ہاں وہ شخص جس کی آنکھیں کھل
گئیں ہیں کہتا ہے وہ جس نے خدا کی باتیں سُنیں اور حق تعالیٰ کا علم پایا جس
نے قادر مطلق کی رویا دیکھیں جو پڑا تھا پر اُس کی آنکھیں کھلی تھیں کہتا ہے
میں اُسے دیکھونگا پر ابھی نہیں میں اُس پر نظر کرونگا پر نزدیک سے نہیں۔ یعقوب
سے ایک ستارہ نکلیگا اور اسرائیل سے ایک عصا اُٹھیگا اور موآب کے
نواحی کو ماریگا اور سب ہنگامہ کرنے والوں کو ماریگا" پھر دیکھو استثنا
۱۸ باب ۱۸ میں ہے کہ" اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک
نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالونگا"

پس موسیٰ کی جو بنیادی کتابیں ہیں اُنہیں میں اس شخص کا تصفیہ ہو چکا
ہے کہ فرقہ یہودا سے نجات دہندہ آئیگا اور انبیاؑ کی کتابوں میں اس سے
بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ اس کا حال لکھا ہے۔ ایوب ۱۹ باب ۲۳ میں ہے
کہ" میری باتیں اب لکھی جاتیں کاش کہ وہ ایک دفتر میں قلمبند ہوتیں کہ وہ
لوہے کے قلم سے اور سیسے سے پتھر پر نقش کی جاتیں جو ابد تک باقی رہتیں
کیونکہ مجھ کو یقین ہے کہ میرا فدیہ دینے والا زندہ ہے اور وہ روز آخر زمین
پر اُٹھ کھڑا ہوگا اور ہر چند کہ میرے پوست کے بعد میرا جسم کرم خوردہ ہوگا
لیکن میں اپنے گوشت میں سے خدا کو دیکھونگا میں اُسے اپنے لئے دیکھونگا
اور میری ہی آنکھیں دیکھینگی نہ کہ بیگانہ" ایوب پیغمبر کہتا ہے کہ وہ فدیہ
دینے والا زندہ ہے اور وہ آئیگا اور میں مُردوں سے زندہ ہو کر اُسے دیکھونگا
زبور ۲ و ۶ میں ہے کہ" میں نے اپنے بادشاہ کو کوہ مقدس صیحون پر بٹھایا

ہے مَیں حکم کو آشکارا کرونگا کہ خداوند نے میرے حق میں فرمایا تو میرا بیٹا ہے مَیں آج کے دن تیرا باپ ہؤا"۔ یعنی وہ آنے والا بادشاہ خدا کا بیٹا ہوگا۔ یشعیاہ نبی ۵۳ باب میں کہتا ہے کہ "وہ اُن کی بدکاریاں اپنے اُوپر اُٹھائیگا"۔ یرمیاہ نبی ۲۳ باب ۵ و ۶ میں کہتا ہے کہ "دیکھ وہ دن آتے ہیں خداوند کہتا ہے کہ مَیں داؤد کے لئے صداقت کی ایک شاخ نکالونگا اور ایک بادشاہ بادشاہی کریگا اور اقبالمند ہوگا اور عدالت و صداقت زمین پر کریگا۔ اُس کے دنوں میں یہوداہ نجات پائیگا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کریگا اور اُس کا نام یہ رکھا جائیگا خداوند ہماری صداقت" یعنی وہ آنے والا داؤد بادشاہ کے خاندان سے آئیگا اور لوگ اُسے اپنا فدیہ جانیں گے اور وہ نہ صرف انسان بلکہ خدا ہوگا۔ دانیال ۹ باب ۲۴ میں ہے کہ "ستّر ہفتے تیرے لوگوں اور تیرے شہر مقدس کے لئے مقرر کئے گئے ہیں" تاکہ اُس مدت میں شرارت ختم ہو اور خطاکاریاں آخر ہوجائیں اور بدکاری کی بابت کفارہ کیا جائے اور ابدی راستبازی پیش کی جائے اور اُس رویا پر اور نبوت پر مُہر ہو اور اُس پر جو سب سے زیادہ قدوس ہے مسح کیا جائے ستّر ہفتے مسیح کی پیدائش کی تاریخ بتلاتے ہیں۔

میکاہ ۵ باب ۲ سے ۵ میں ہے کہ "اے بیت لحم افراتہ ہرچند کہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے وہ شخص نکل کے مجھ پاس آئیگا جو اسرائیل میں حاکم ہوگا اور اُس کا نکلنا قدیم......سے ایام الازل سے ہے تس پر بھی وہ اُنہیں چھوڑ دیگا اُس وقت تک کہ وہ جو جننے کا درد کھا رہی ہے جن چکے تب اُس کے باقی بھائی بنی اسرائیل کے پاس پھر آئینگے اور وہ قائم ہوگا اور خداوند کی قدرت سے اور خداوند اپنے خدا

کے نام کی بزرگی سے رعایت کریگا اور وے قایم رہینگے کیونکہ اب وہ زمین کے سواؤں تک بزرگ ہوگا اور یہی سلامتی کا باعث ہوگا۔ یعنی وہ جو آنے والا ہے اور جس کے آنے کا انتظام ازل سے مقرر ہو چکا ہے اور جس کی خبر پیغمبروں نے دی ہیں وہ بیت لحم میں پیدا ہوگا اور اپنا کام کر کے پھر دُنیا سے صعود کریگا اور جب وہ سب جو ہونے والا ہے ہو چکیگا تب وہ پھر آئیگا اور ابد تک رہیگا اور سب کی سلامتی کا باعث وہی ہوگا۔ اس کے بعد ملاکی نبی کی کتاب جو سارے عہدنامہ عتیق کا خاتمہ ہے اسی آنے والے کی پیشگوئی پر ختم ہوتی ہے ۔

اور تمام کتب انبیاء میں اس کثرت سے اس آنے والے کا ذکر ہے کہ اس کی تفصیل سے ایک بڑی مجلد کتاب بن سکتی ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ پُرانا عہدنامہ انسان کی نجات کا انحصار ایک آنے والے شخص پر موقوف کرتا ہے اور نیز اس بات پر کہ اس کی قربانی کے وسیلہ سے سب ایماندار نجات پا جائینگے ۔

اس کی توضیح یوں ہے کہ

عہد عتیق نجات کا وسیلہ ایک خاص قربانی کو بتلاتا ہے چنانچہ آدم کے زمانہ سے لے کر مسیح کے ظہور تک قربانی ہی نجات کا وسیلہ سمجھی گئی ۔

قربانی کے معنی ہیں وہ چیز جس کے وسیلہ سے خدا کی قربت حاصل ہو مگر مسیحیوں کی اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جان کے بدلے جان دے کر بچ رہنا ۔

گو عقل یہ کہتی ہے کہ خدا کے فضل سے بچ سکتے ہیں لیکن فضل کی تخصیص نہیں کر سکتی ہے۔

لیکن بائبل اس کی تخصیص کرتی ہے کہ یہی فضل ہے کہ آدمی کی جان کے بدلے خدا کسی دوسرے کی جان کو لے اور آدمی بچ جائے۔

بائبل ایک عجیب قسم کی قربانی بتلاتی ہے

جس کی گہرائی پر نظر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ فضل جس کو عقل چاہتی ہے یہی قربانی ہے اور بس۔

دفعاتِ ذیل پر غور کیجئے

(۱) الٰہی عدالت کا انسان پر یہ فتویٰ ہے کہ یا اپنا قرضہ پورا ادا کرے یا مارا جائے لیکن پورا قرضہ ادا کرنا انسان کے لئے محال ہے لہذا ہمیشہ تک غضبِ الٰہی میں رہنا اس کے لئے ضروری ہے جس کو ہم اپنی اصطلاح میں موت کہتے ہیں۔ اب بجز اس کے کہ انسان خدا کے رحم پر بھروسہ کرے اور کوئی چارہ نہیں لیکن رحم اور عدل ایک ساتھ جاری نہیں ہو سکتے لہذا عقل اس مسئلہ میں بالکل خاموش ہے۔

(۲) لیکن بائبل مقدس اس مشکل مسئلہ کو یوں حل کرتی ہے کہ ایک جان کے عوض میں دوسری جان بطور کفارہ سزا اٹھا سکتی ہے تاکہ رحم اور عدل کا اقتضا پورا ہو لیکن بشرائط ذیل:۔

(۳) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ دوسرا جو کفارہ دیتا ہے سراسر گناہوں سے

پاک صاف اور معصوم ہو۔

(۴) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قربانی مبادلہ کی صورت میں ہو یعنے
اپنی نیکی مجھے دے اور میری بدی آپ اُٹھا لے اور اپنی مرضی سے۔

(۵) اس قسم کی قربانی کا قبول ہو جانا یقینی ہے کیونکہ آسمانی آگ جو
خدا کا غضب ہے وہ اُس قربانی کو بھسم کر ڈالیگی اور گنہگار بچ جائیگا۔

(۶) لیکن عہد عتیق کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے پیدا ہونے
سے قبل آدمی کے بدلے جانور ذبح کئے جاتے تھے حالانکہ مناسب یہ
تھا کہ آدمی کے بدلے آدمی ذبح کیا جاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی شرط
کے رُو سے کوئی آدمی بے عیب نہ تھا اس لئے بے عیب جانور کی
تلاش ہوتی تھی لیکن جب بے عیب انسان پیدا ہوا تو بے عیب جانوروں
کی ضرورت نہ رہی بمصداق آنکہ   آب آمد تیمم برخاست۔

(۷) بے عیب انسان کے بدلے میں بے عیب جانور اس لئے
ذبح کیا گیا تھا کہ جانوروں سے انسان کی پرورش ہوتی ہے
اور جس طرح کہ تمام رسمی شریعت جسمانی تھی اور روحانی مطلب پر اشارہ
کرتی تھی اسی طرح جانوروں کی قربانی بھی حقیقی قربانی پر اشارہ کرتی تھی کہ
انسانی روح کی پرورش اس بے عیب انسان کی قربانی سے ہوتی ہے

(۸) یہی وجہ ہے کہ ان جانوروں کی قربانی سے لوگ کامل نجات نہیں
پاتے تھے کیونکہ وہ حقیقی قربانی نہ تھی بلکہ حقیقی قربانی کا عکس تھا یا بعبارت دیگر
مجازی قربانی حقیقی قربانی کے قائم مقام تھی۔

(۹) آدمی اور جانور میں کیا برابری تھی کچھ بھی نہیں کیا جانور انسان کے
مساوی ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اور نہ جانور اپنی مرضی کا اظہار کر سکتا ہے

کہ وہ خوشی سے انسان کا فدیہ ہو رہا ہے۔ اس رسم کے مقرر کرنے
سے خدا کی مرضی یہی تھی کہ انسان حقیقی قربانی کے لئے تیار کیا جائے۔ لیکن
معرفت سے بے بہرہ لوگ اُسی کو اصل سمجھتے تھے اور یہ اُن کی غلط فہمی تھی۔

(۱۰) خدا کا مطلب تھا کہ ایک نیا آدمی گناہ کے سلسلہ سے الگ ہو کر
عورت کی نسل سے پیدا ہو جس میں موروثی اکتسابی گناہ نہ ہو اور
کامل انسان ہو۔ تاکہ سارے جہان کے گناہ کے لئے قربان ہو اور
اس کی قربانی سے بائبل کی تمام گذشتہ قربانیاں اصل پائیں اور آیندہ
کو وہی سب کے حق میں کامل قربانی ہو اور اُسی کی قربانی سے برگزیدوں
کی تمام روحیں غذا حاصل کریں۔

(۱۱) چونکہ انسان میں یہ طاقت نہ تھی کہ سارے جہان کے گناہوں
کا بوجھ اُٹھائے اور خدا کا سارا قہر جو تمام گنہگاروں پر نازل ہونے
والا ہے سہار سکے۔ اس لئے اُس نے اُس کی انسانیت کے ساتھ
اپنی الوہیت کو بھی شامل کیا اور اقنوم ثانی نے جسم اختیار کیا تاکہ
اس بھاری مہم کو فتح کر سکے۔

(۱۲) جب اقنوم ثانی اس مقصد کے لئے مجسم ہو کر آیا تو صاف ظاہر
ہے کہ وہ ارادۃً ہمارا فدیہ ہوا۔

(۱۳) اب ہماری طرف سے بھی اس ارادہ کی ضرورت ہے کہ ہم اُس
پر ایمان کے ہاتھ رکھیں تاکہ مبادلہ کی شرط پوری ہو۔

(۱۴) یہی کامل قربانی ہے کیونکہ آدمی کے بدلہ میں آدمی لیا جاتا ہے
نہ جانور۔ اور آدمی بھی معصوم ہے۔ مبادلہ کا ارادہ بھی ہے اور معرفت سا
ہماری قبولیت کی شرط باقی ہے۔

(۱۵) یہ شخص اپنی پاکیزگی اور راستبازی ہمیں عنایت کرتا ہے اور ہمارے گناہوں کو سے کر غضب الٰہی کی آگ میں جلا دیتا ہے ◆

(۱۶) ایک آدمی کے سبب سب پر غضب آیا تھا اب ایک ہی آدمی کے سبب سب پر برکت آتی ہے ۔

(۱۷) یہ قربانی دینے والا شخص یسوع مسیح ہے جو قدوس ہے وہ سب کے گناہوں کے لئے کفارہ ہؤا اور خدا کے غضب سے ہمیں رستگاری بخشی

(۱۸) جب سے اُس نے اپنی قربانی گذرانی ہے تب سے کروڑوں روحیں گناہوں سے سُبکبار ہوگئیں اور اُس کی پاکیزگی نے یہ ثابت کر دیا کہ اُس نے ہمارے ساتھ حقیقی مبادلہ کر لیا ہے۔ پس لازم بلکہ فرض ہے کہ آپ اُس شخص کے متعلق دیانت اور صداقت کے ساتھ غور و خوض کریں ۔

پندرھواں لکچر

مسیح عہد عتیق میں

گذشتہ لکچر میں یہ بتلایا گیا کہ پُرانا عہد نامہ پیغمبروں کے ذریعہ یوں بتاتا ہے کہ آنے والا زمانہ میں ایک شخص ظاہر ہونے والا ہے جو اپنی قربانی کے وسیلہ سے سارے جہان کے لئے نجات تیار کریگا اور نیز یہ بیان ہُوا کہ اُس زمانہ کے لوگ اُس شخص کی طرف تاکتے تھے جیسے اب ہم اُس کی طرف تاکتے ہیں پس ہماری اور اُن کی مطمح نظر ایک ہی شخص ہے آج ہم اس امر کا بیان کرینگے کہ وہ لوگ کس اعتقاد سے اُس کی طرف تاکتے تھے اور ہم کس اعتقاد سے اُس کی طرف دیکھتے ہیں ؂

ہمارا جو اعتقاد ہے وہ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ یسوع ابن مریم کامل خدا اور کامل انسان ہے اور اپنے کفارہ اور جی اُٹھنے سے ہمیں نجات دیتا ہے۔ اور ہم نے اس اعتقاد کی بُنیاد انجیل جلیل کی تعلیم پر قائم کی ہے ؂

مگر اس وقت اس بیان کی ضرورت ہے کہ اُس زمانہ کے لوگوں کا مسیح کی نسبت کیا اعتقاد تھا نجات کے اعتبار سے وہ تو جیسا کہ بیان ہُوا مسیح ہی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے مگر اُن کا یہ عقیدہ کہ مسیح کون ہے اور کیا ہے ذیل کے اقتباسات سے واضح ہوتا ہے ؂

اگرچہ مسیح کی ذات وصفات اور کاموں اور واقعات کا بیان پُرانے عہد نامہ کی اکثر عبارتوں کے درمیان صاف صاف اُسی طرح بیان ہوا ہے جس طرح انجیل میں ہوا ہے۔ مگر اس مسیح کی کیفیت خدا نے جو ہمہ دان ہے اگلی اُمت پر اس کے القاب میں بخوبی ظاہر کردی تھی اور القاب کا طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ القاب چھوٹے چھوٹے لفظ ہوتے ہیں جن کو سب لوگ بآسانی یاد رکھ سکتے ہیں۔ خدا چاہتا ہے کہ واقعات عظیمہ کے وقوع سے پیشتر اور اُس کی ذات اقدس کے ظہور سے پہلے اُس کی ضروری کیفیت کے اصولی مضامین چھوٹے چھوٹے الفاظ کے القاب میں لوگوں کے دلوں پر بطور عقیدہ نقش کالحجر کردے۔ تاکہ اِن عقاید کے سبب سے وہ ہلاکت ابدی سے بچیں۔ اور وہ جو ظہور کے بعد پیدا ہونگے اپنے اسلاف کے ان عقاید کو دیکھکر ایمان میں زیادہ مضبوطی حاصل کریں ٭

اب ہم اُن القاب پر غور کرینگے جو مسیح کی نسبت عہد عتیق میں مذکور ہیں

پہلا لقب آنے والا المسیح ہے (دانیال ۹ باب ۲۵)۔ مسیح میں اور المسیح میں بڑا فرق ہے۔ بادشاہ اور سردار کاہن وغیرہ نبی تیل سے مسح کئے جاتے تھے اور مسیح کہلاتے تھے مگر المسیح وہ خاص مسیح ہے جس کے وہ سب نمونے تھے اور یہ [illegible]

اُس میں مکمل ہو جاتے ہیں ؞
دانیال ۹ ب ۲۵ "اور اُس پر جو سب سے زیادہ قدوس ہے مسح کیا جاسکے" (زبور ۴۵ ب ۶ و ۷) "تیرا تخت اے خدا ابدالآباد ہے تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے اس سبب سے خدا تیرے خدا نے تجھ کو خوشی کے تیل سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ مسح کیا ؞

(زکریا ۳ ب ۸) "اب اے یہوشوع سردار کاہن سُن تو اور تیرے رفیق جو تیرے آگے بیٹھے ہیں کیونکہ یہ اشخاص بطور نشانی کے ہیں کہ دیکھو میں اپنے بندے شاخ نامی کو پیش لاؤنگا" ؞

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ المسیح آنے والا ہے مگر انجیل بتلاتی ہے کہ جب المسیح آیا اور ۳۰ برس کا ہو کر ممسوح ہونے کو یردن ندی پر یوحنا کے سامنے گیا تو خدا نے آپ اُسے روح القدس سے ممسوح کیا اور کبوتر کی شکل میں اُس پر روح القدس نازل ہوئی اور آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میرا دل خوش ہے ؞
پھر اس شخص کی زندگی کے واقعات - اور وہ سب معجزات جو اُس سے ظاہر ہوئے بخوبی ثابت کرتے ہیں کہ وہ المسیح ہے ؞

دوسرا لقب الملک ہے - وہ ایک خاص بادشاہ ہے سلاطین کا سلطان خداوندوں کا خداوند "اور اُن بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کریگا جو تا ابد نیست نہ ہوگی اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضہ میں نہ پڑیگی وہ اُن سب مملکتوں

کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کریگی اور وہی تا ابد قائم رہیگی" (دانیال ۲: ۴۴)
(ذکریاہ ۹ب ۹) "دیکھ تیرا بادشاہ تجھ پاس آتا ہے وہ صادق ہے اور نجات دینا اُس کے ذمہ میں ہے وہ فروتن ہے اور گدھے پر بلکہ جوان گدھے پر اس گدھے کے بچہ پر سوار ہے" [illegible] میں اس بادشاہ کا ذکر بہت کچھ لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ روحانی وجسمانی دونوں طرح سے بادشاہ ہوگا اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہودی جانتے تھے کہ وہ بادشاہ جو آنے والا ہے وہی المسیح ہے۔

چنانچہ جب مسیح پیدا ہوا اور نجومی آئے تو انہوں نے کہا کہ "یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے کہاں ہے۔ تب فوراً ہیرودیس نے کہا کہ مسیح کہاں پیدا ہوگا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آنے والا بادشاہ مسیح ہے۔ اور علمائے یہود نے یہی جواب دیا کہ (میکاہ ۵ب ۲) "اے بیت لحم افراتہ ہر چند کہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے وہ شخص نکل کے مجھ پاس آئیگا جو اسرائیل میں حاکم ہوگا اور اُس کا نکلنا قدیم سے ایام الازل سے ہے۔ تس پر بھی وہ انہیں چھوڑ دیگا اُس وقت تک کہ وہ جو جننے کا درد کھا رہی ہے جن چکے تب اُس کے باقی بھائی بنی اسرائیل کے پاس پھر آئینگے" (میکاہ ۵: ۲-۳)۔

چونکہ یہ حقیقی بادشاہ ہے اس لئے اُس کی بادشاہت کا شروع انسان کے دل میں ہوتا ہے اس لئے اُس کے نقیب یوحنا نے توبہ کی منادی کی کہ "توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے اس

بادشاہ کی رعیت بننے کے لئے دل کی تیاری ضروری ہے تاکہ خوشی کے ساتھ اطاعت کی جائے اور روحانیت جسمانیت پر غالب آجائے۔ یہانتک کہ سب کچھ نیا ہو جائے اسی بادشاہت کے انتظام سے جہان کامل ہوگا کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہے۔ اور اس کا سب سامان رُوحانی ہے۔

تیسرا لقب خداوند کا بازو ہے۔ (یسعیاہ ۵۱ باب ۹ و ۵۳ - ۱) یہ لقب اس کی قوت اور قدرت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں کس قسم کی طاقت ہوگی۔

یسوع مسیح کے واقعات صاف گواہی دیتے ہیں کہ وہ خدا کا بازو تھا۔ انسانوں اور فرشتوں اور تمام موجودات میں جو طاقت دیکھی جاتی ہے اُن سب سے نرالی طاقت مسیح ظاہر ہوئی ہے۔

مسیح کی بخشندہ طاقت سے ہر ملک کے عارف لوگ جان سکتے ہیں کہ خدا کا بازو ہماری مدد پر ہے اُس کی قدرت سے جو رُوحوں پر اور انسانی خیالات پر اور دریاؤں پر اور ہواؤں پر ظاہر ہوئی صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کا بازو ہے۔

اُس کی قدرت جو اپنی جماعت کے بڑھانے اور پھیلانے میں اور مدد کرنے میں دیکھی جاتی ہے صاف گواہی دیتی ہے کہ وہ خدا کا بازو ہے۔

چوتھا لقب عجیب۔ مشیر۔ خدائے قادر۔ ابدیت کا باپ۔ سلامتی

کا شاہزادہ ہے (یسعیاہ ۹ ب ۶) فی الحقیقت یہ سارے اوصاف یسوع مسیح میں پائے جاتے ہیں اور ان پانچوں لفظوں کے مفہوم کامل طور پر اسی شخص میں چسپاں ہوتے ہیں۔ (عجیب) اُس کی پیدائش سے صعود تک عجیب باتیں اُس میں دیکھی گئیں اور آج تک عجیب عجیب اُس سے ظاہر ہوتے ہیں۔

(مُشیر) وہ آدمیوں کو عمدہ صلاح دیتا ہے ایسی صلاح دینے والا ایک بھی جہان میں نظر نہیں آتا۔ وہ خدا باپ کے ساتھ ازل سے مُشیر تھا۔

(خدائے قادر) ظاہر ہے کہ اس میں کامل اُلوہیت تھی۔

(ابدیت کا باپ) وہ تو مُردوں میں سے جی اُٹھا اور ابد تک زندہ ہے۔

(سلامتی کا شاہزادہ) وہ خدا کا بیٹا ہماری سلامتی کا باعث ہے۔

(پانچواں لقب) ساری قوموں کی آرزو ہے (پیدائش ۴۹ ب ۱۰ وحجی ۲ ب ۷) نہ صرف یہودیوں کی آرزو بلکہ تمام دُنیا کے لوگوں کی آرزو اور اگر ہر ایک قوم فکر سے کام لے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ وہی ہر قوم کی آرزو ہے جو قوم فکر کرتی ہے اُسی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہی ہماری آرزو ہے اور ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ سب جانینگے کہ وہی ہماری آرزو ہے۔

چھٹا لقب حکمت ہے (امثال ۸ ب ۲۰) یہ مضمون ایسی خوبی کے ساتھ یسوع میں پایا جاتا ہے جس کا کوئی آدمی انکار نہیں کرسکتا کیونکہ یسوع

کی تعلیم سے سارے جہان کے عقلا حیران ہیں اور ہر دانائی اس کی دانائی کے سامنے ماند ہے چنانچہ نہ اس وقت کوئی دانا اس کا مقابلہ کر سکی اور نہ آج تک کوئی دانا اس سے بہتر تعلیم دے سکا۔

ساتواں لقب خداوند خدا ہے (یشعیاہ ۴۰ باب ۱۰) "دیکھو خداوند خدا زبردستی کے ساتھ آویگا"۔ آیت ۵ میں ہے کہ "خداوند کا جلال آشکارا ہوگا"۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کو جن صفتوں کے ساتھ عقل نے دریافت کیا ہے وہ سب صفتیں اس شخص میں پائی جاتی ہیں اگر یہ شخص خدا نہ تھا تو پھر کون خدا ہے جس کی ہم امید کریں؟ جتنی صفات ہم خدا میں تسلیم کرتے ہیں وہ سب مسیح میں موجود ہیں پھر کیوں ہم یہ نہ کہیں کہ وہ خدا ہے؟

آٹھواں لقب خداوند ہماری صداقت ہے (یرمیاہ ۲۳ ب ۶) "اس کا نام یہ رکھا جائیگا کہ خداوند ہماری صداقت"۔ سارے مسیحی دین کا حاصل یہی ہے کہ مسیح ہماری وہ نیکی ہے جس کو ہم خدا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں ہم صرف مسیح کے طفیل سے بچینگے نہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے۔ چنانچہ مسیح کے سوا اور کسی نے اس امر کا مدلل دعویٰ نہیں کیا ہے۔

نواں لقب اس کا عمانوایل ہے (یشعیاہ ۷ ب ۱۴) یعنی خدا آدمیوں کے درمیان آگیا ہے۔

یسوع مسیح جو مجسم خدا ہے یہ اس کی ذات کا بیان ہے جس کا ثبوت اس کی عصمت قدرت علم حکمت اور سارے واقعات دیتے ہیں۔

دسواں لقب ہمتائی خدا ہے (زکریا ۱۳ ب ۷) یعنی ایک انسان

ہے جو خدا ہے۔ اسی طرح شاخ داؤد کی اصل۔ داؤد کی نسل اسرائیل کا قدوس خدا کا فرشتہ عہد کا رسول شریعت دہندہ شاہد ستارہ شیلوہ خلق کا پیشوا اور آفتاب صداقت وغیرہ اُس کے القاب ہیں اور ان القاب کے مفہومات صرف اسی شخص یسوع میں ادا ہو جاتے ہیں۔ ہمارا جو کچھ اعتقاد یسوع مسیح پر ہے وہی اعتقاد ہے جو اگلے پیغمبروں کا اور اُن کی اُمت کا تھا صرف اتنا فرق ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ایک ایسا شخص آنے والا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ وہ آگیا پس بھائیو یہ بے فکری کا وقت نہیں ہے۔ یسوع مسیح کے متعلق دیانتداری کے ساتھ غور کرو اور اُسی کو مدِ نظر رکھو تب تمہیں خداشناسی کی مقدرت حاصل ہو جائیگی +

فقط

والسلام عماد الدین لاہز

تمام شد

پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس انارکلی۔ لاہور میں چھپوا کر مسٹر ایف۔ ڈی۔
وارث سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی۔ لاہور نے شائع کی۔

اِشتہارِ کُتب

اشعارِ شیریں ایک عربی زبان کے تاریخی فسانہ کا ترجمہ جس میں پرانے زمانہ کے مسیحیوں اور مسلمانوں کی مذہبی بحثوں کا ذکر ہے۔ صفحات ۲۹۶ – ۶ر

احادیثِ اہلِ اسلام از پادری ڈبلیو گولڈسیک صاحب۔ اسلامی حدیثوں کی تالیف و ترتیب و بیانِ قرآن و عقل کی رُو سے ان پر بحث۔ صفحات ۱۳۲ – ۲۰ر

الغزالی از پادری ڈاکٹر جیمس۔ ایم زویمر صاحب۔ مسلمانوں کے مشہور امام مسمی بہ الغزالی کی زندگی۔ تعلیمات و عقاید اور اس کی تصنیفات میں یسوع مسیح کا بیان صفحات ۲۴۲ – ۱ روپیہ

تعلیمِ نجات از روئے قرآن از پادری ڈبلیو۔ آر ڈبلیو گارڈنر صاحب اسلام اور مسیحی طریقہ ہائے نجات کا مقابلہ۔ صفحات ۵۶ – ۳ر

تنویر الاذہان فی فصاحت القرآن از مسٹر اکبر مسیح صاحب مرحوم مسئلہ اعجاز قرآن کے مختلف پہلوؤں

پر بحث بڑی تقطیع۔ صفحات ۱۸۰ اصل ۸ر رعایتی ۴ر

نجاتِ ثلاثہ خدا سے خالق۔ خدا مجسم اور خدا سے نجات دہندہ

صفحات ۴۲ – ۳ر

حقیقی عرفان پادری عماد الدین صاحب کے دس سوالوں کا مجموعہ جس کی مولوی سلطان محمد خان صاحب نے نظر ثانی کی ہے قیمت

خدائے اسلام از پادری ڈبلیو۔ گولڈسیک صاحب۔ اہلِ اسلام کے خدا کے بارے میں اعتقاد کی تحقیق۔ صفحات ۳۶ – ۲ر

خدا کی ہستی مؤلفہ پادری طالب الدین صاحب مرحوم۔ اسے مؤلف نے انگلستان اور امریکہ کے مشہور عالمانِ الٰہیات کی اور مستند کتابوں سے تیار کیا۔ بڑی تقطیع۔ صفحات ۱۶۲ – ۸ر

زندہ جاوید بائبل یا وید از مسٹر اکبر مسیح صاحب مرحوم۔ پنڈت بھوجدت آریہ کی کتاب "بائبل کا جنازہ" کا زبردست تحقیقی اور الزامی جواب صفحات ۵۵ – ۳ر

زندہ مسیح اور انجیل اربعہ مسیحی ایمان و تجربہ

اور بائبل پر موجودہ زمانہ کے نکتہ چینیوں کے اعتراضوں کا جواب اور قدیم بزرگوں کی خارجی شہادتیں۔ بڑی تقطیع صفحہ ۲۳۲۔ اصل ۲ ار رعایتی ۲ر کپڑا ۱۰۰ ار

ستیارتھ پرکاش درپن

سوامی دیانند کے تمام اعتراضوں کا جو انہوں نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کے تیرھویں باب میں بائبل پر کئے ہیں زبردست جواب از پادری جی۔ ایل ٹھاکرداس صاحب مرحوم۔ بڑی تقطیع صفحہ ۱ عہر

سیرۃ المسیح والمحمد

از پادری جی۔ ایل ٹھاکرداس۔ اسلام و مسیحیت کے بانیوں کی زندگیوں کا مقابلہ۔ صفحہ ۲۰ ۱ار

سفر دکن

از پادری جے علی بخش صاحب مختلف مقامات پر اہل اسلام کے لئے آپ کے لیکچروں اور ان سے مباحثوں کا مختصر حال صفحہ ۱۲۶۔ اصل ۸ر رعایتی ۴ر

ینابیع القرآن

از پادری ڈبلیو۔ گولڈ سیک صاحب۔ اسلام کی تحقیقات۔ بدوی۔ یہودی اور مسیحی عقاید و رسوم کا قرآن میں اندراج اور قرآن کے وضعی حصے۔ صفحہ ۵۰ ۔ ۳ر

ینابیع الاسلام

از پادری ڈبلیو سینٹ کلیر ٹزڈل صاحب اس بیان میں کہ تمام مشہور اسلامی عقاید و مسائل۔

روایات قصص رسوم وغیرہ کس کس کتاب اور مذہب سے ماخوذ ہیں۔ زبردست کتاب ہے صفحہ ۲۳۲ عہر

ویدوں کی ازلیت و ماہیت

ظاہری اور باطنی دلیلوں سے ویدوں کے ازلی ہونے کا رد۔ صفحہ ۱۶۔ ار

ویدوں کی اصل

از پادری بی۔ بی۔ رائے صاحب مرحوم۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کہاں کہاں سے پیدا ہوئے۔ اور سنسکرت کے حوالے شامل ہیں۔ صفحہ ۳۲ ۔ ۲ر ۶ پائی ۔

وشنو کے دس اوتار

از پروفیسر بی۔ بی۔ رائے صاحب مرحوم۔ ہندوؤں کے اوتاروں کی زندگی کے عجائب غرائب جن کو پڑھ کر ہندو دھرم کی اصل تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ صفحہ ۱۲۵ ۔ ۲ر

میزان الحق

مصنفہ پادری سی۔ جی فانڈر صاحب مرحوم جسے پادری ڈبلیو سینٹ کلیر ٹزڈل صاحب کی تصحیح و اضافہ کے بعد چھپوایا گیا ہے مسلمانوں کے لئے یہ بہترین کتاب ہے جو کبھی علم ادب نے پیدا کی۔ مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان تمام اہم مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ صفحہ ۲۹۶ ۔ عہر ۔ مستحکم کپڑا عہر *